اسلام میں انسانی حقوق

اور

ان کے متعلق پھیلائے گئے شبہات کے جوابات

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر سلیمان بن عبدالرحمٰن الحقیل حفظہ اللہ

تقدیم

ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن ترکی
وزیر اوقاف و مذہبی امور سعودی عرب

ترجمہ و تفہیم

ابو مسعود عبدالجبار السلفی

الهادی

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام میں انسانی حقوق

اور ان کے متعلق پھیلائے گئے شبہات کے جوابات

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر سلیمان بن عبدالرحمٰن الحقیل حفظہ اللہ

تقدیم

ڈاکٹر عبداللہ بن عبد المحسن ترکی

سعودی وزیر اوقاف و مذہبی اُمور

ترجمہ و تفہیم

ابو مسعود عبدالجبار سلفی

جامعہ پنجاب لاہور پاکستان

نام کتاب	ــــــــ	اسلام میں انسانی حقوق
تالیف	ــــــــ	پروفیسر ڈاکٹر سلیمان بن عبدالرحمٰن الحقیل حفظہ اللہ
ترجمہ	ــــــــ	ابو مسعود عبدالجبار سلفی
سال اشاعت	ــــــــ	2011ء
ایڈیشن	ــــــــ	اوّل
ناشر	ــــــــ	الهادی للنشــــر والتوزيــــع

الهادی للنشــــر والتوزيــــع
۳۸- غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور
Ph: 0423-7361473
Mob: 0345-7492334, 0300-6609226

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اسلام میں انسان کی عزت وتوقیر

اللہ کریم نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت وتکریم عطا کی اور انہیں خشکی اور تری پر سوار کیا اور انہیں پاکیزہ روزی عطا کی اور انہیں اپنی پیدا کی ہوئی بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی۔'' [سورة الاسراء : 70]

نسل انسانی میں مساوات

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ وِلَا لِأَبْيَضَ عَلٰى أَسْوَدَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى]

''کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی طرح کی برتری حاصل نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی برتری حاصل ہے اور نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر، اور نہ کسی سفید فام کو سیاہ فام پر فوقیت حاصل ہے مگر تقویٰ کے ساتھ۔''

[سعودی عرب کی مملکت اسلامیہ کے آئین کی دفعہ نمبر 26 پر درج ہے، کہ حکومت اسلامی شریعت کے مطابق انسانی حقوق کی حفاظت کرے گی]

فہرست مضامین

تیسری فصل

چوتھی فصل

پانچویں فصل

چھٹی فصل

ضمیمہ

تقدیم

از عزت مآب جناب ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن ترکی

وزیر مملکت برائے دعوت وارشاد واوقاف واسلامی اُمور سعودی عرب

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین محمد وعلی آلہٖ واصحابہ اجمعین۔

أما بعد:

تاریخ نے مسلمانوں سے بڑھ کر کسی قوم کو وفادار نہیں پایا اور نہ ہی اسے کوئی ایسی قوم نظر آئی جو مسلمانوں سے زیادہ عہد کی پاسداری کرنے اور ذمہ داری کو نبھانے والی ہو اور نہ ہی اس کے سامنے کوئی ایسی ملت آئی جو مسلمانوں سے بڑھ کر رحم دل وانصاف پسند ہو یا ان سے زیادہ خوش خلق اور ان سے زیادہ بہتر معاملہ کرنے والی ہو۔ مسلمانوں کے ان اوصاف کا سرچشمہ، ان کا وہ دین اسلام ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رحمۃ للعالمین پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعے مسلمانوں کو اندھیرں سے روشنی کی طرف لایا، اور ان کے ذریعے ہی انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت عطا فرمائی اور ان کے حقوق کی ضمانت دی۔ چنانچہ لوگ باہم اخوت ومحبت اور امن وسکون سے زندگی بسر کرنے لگے اور ایسے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے لگے جو انہیں منفعت

عطا کریں اور ان کے حالات کو سنوار دیں، بلکہ ذمی (غیر مسلم) بھی ان کی حکمرانی میں امن وسکون سے رہنے لگے اور مسلمان اپنے مضبوط دین کے سائے میں، کسی ماڈرن قانون کا محتاج نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ہمارا دین مکمل کردیا ہے اور ہم پر اپنی نعمت مکمل کردی اور ہمارے لئے اسلام کو بطور دین پسند فرمایا۔

لہٰذا جو چیز اس سے تجاوز کرے یا اس کی مخالفت کرے یا اس سے انحراف کرے وہ صریح ظلم ہے کیونکہ وہ اس چیز کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائی اور وہ اپنے بندوں کے حالات اور ان کی اصلاح کرنے والے، قوانین کو بخوبی جاننے والا ہے چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾

''بھلا وہ ذات جس نے (کائنات کو) پیدا فرمایا وہ (اس کی اصلاح کے قوانین سے) بے خبر ہے (جبکہ درحقیقت) وہ باریک بین خبر رکھنے والی ذات ہے۔''

لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے دین کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور اس پر سختی سے کاربند ہیں اور اس کے احکام وقوانین اور آداب پر عمل کریں اور اسے فیصلہ کن اتھارٹی تسلیم کریں، ایسا کرنے سے انہیں امن وعافیت، سکون واطمینان، عدل وانصاف، سعادت مندی اور خوشنودی، قوت اور ترقی حاصل ہوگی اور دولت دنیا ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر حاضر ہوگی اور ان کے پاس رزق کی ریل پیل ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو انسان کی خاطر پیدا کیا ہے اور انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، قرآن کریم میں ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝﴾

[ذاریات : 56]

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں میں ان سے رزق کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں، بے شک اللہ تعالیٰ ہی رزاق اور مضبوط قوت والا ہے۔"

چنانچہ انسان کے احوال کو وہی قانون سنوار سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مشروع فرمایا اور واقعات اس بات پر گواہ ہیں کہ جہاں کہیں اسلامی شریعت کا نفاذ کیا گیا اور اسے لوگوں کے معاملات میں فیصل مانا گیا، وہاں کے لوگوں کی حالت سنور گئی اور وہ اپنی جان و مال اور عزت کی حفاظت سے بے فکر ہو گئے اور جہاں کہیں انسان اس سیدھے راستے روگردانی کرے گا تو خود بھی ضائع ہوگا اور اس کے حقوق بھی ضائع ہو جائیں گے (اور اس کے مسائل اُلجھ جائیں گے)

چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾

[یوسف:108]

"کہہ دیجیے، یہ ہے میرا راستہ، میں از روئے بصیرت اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور میرے پیروکار بھی۔"

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [انعام :154]

"اور تم (اس راستے کو چھوڑ کر دوسرے) راستوں پر نہ چلو کیونکہ وہ تمہیں

اس کی راہ سے جدا کردیں گے، اس بات کی اس نے تمہیں وصیت کی ہے، تاکہ تم پرہیزگار بنو۔"

چنانچہ جب ہم اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کرنے اور اسلام کو قولی، عملی اور اعتقادی اعتبار سے دستور حیات بنانے کی بات کرتے ہیں تو عالم اسلام کے سامنے، سعودی عرب کی اسلامی حکومت کو بطور زندہ مثال پیش کرتے ہیں، کیونکہ اس کی قیادت میں اس کی رعیت قابل رشک، سکون واطمینان سے زندگی بسر کررہی ہے اور وہ اسلامی قانون کے نفاذ پر دل وجان سے خوش ہے اور سمجھتی ہے کہ اس کی قوت اور امن وخوش نصیبی کا سرچشمہ، اسلامی قانون کا نفاذ ہی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اسے اس منہج پر ثابت قدم رکھے اور پوری قوت سے اسلامی قانون کو تھامنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسے ایسی صورت حال سے محفوظ رکھے جس سے دوسری اقوام دوچار ہیں اور اسے ظاہری وباطنی اور اندرونی وبیرونی فتنوں سے بچائے اور اسے اسلام کے عادلانہ قانون اور دانش مندانہ قیادت کے سائے میں عزت وآبرو اور قوت وشوکت سے قائم رکھے۔ (آمین)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے سعودی حکومت کی قدرومنزلت کا راز، (اس بات میں پوشیدہ ہے) کہ وہ حسب استطاعت دین حنیف کو تھامے ہوئے ہے اور اس کی طرف دعوت بھی دے رہی ہے اور مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام بھی کررہی ہے اور دنیا کے ہر خطے میں ان کے حقوق کا دفاع بھی کررہی ہے اور ان کی نصرت بھی کررہی ہے۔ [وللّٰہ الْحَمْدُ وَالشُّکْر]

سعودی عرب کی یہ خوشگوار صورت حال فطری طور دشمنان اسلام کو ایک آنکھ نہیں بھاتی اور نہ ہی وہ اسے پسند کرتے ہیں اور وہاں کا امن وسکون، ان کے

دلوں کے سکون کا موضوع بھی نہیں ہے اس لئے وہ آپ کو اس کے خلاف جھوٹ کے طوفان اور بہتانات کے طور مار باندھتے نظر آئیں گے اور وہ اس تگ ودو میں مصروف ہیں کہ باطل کو حق کا لبادہ پہنا کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک دی جائے اور حقائق دبا دیئے جائیں چنانچہ وہ جرائم پیشہ عناصر پر شرعی حدود کے قیام اور نفاذ کو بھی حقوق انسانی کے خلاف قرار دے کر سعودی عرب کی اسلامی حکومت پر بہتانات لگا رہے ہیں۔

محترم قارئین! آپ یہ جان کر حیران رہ جائیں گے کہ وہ اس مجرم کے حق میں تو واویلا کرتے ہیں جسے امن وامان تباہ کرنے یا کسی بیگناہ کو قتل کرنے یا زمین میں فساد پھیلانے یا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنے پر قانون شریعت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن ان بدخواہان اسلام کی ڈکشنری میں ان بے گناہ اور بے بس مسلمانوں کے بارے میں انسانی حقوق نامی چیز کا کوئی لفظ موجود نہیں جنھیں لاکھوں کی تعداد میں بلا وجہ قتل کیا گیا اور انہیں ان کے گھروں اور مالوں سے بے دخل کیا گیا اور ان کی عصمت دری کی گئی اور انہیں اپنی جانوں کے دفاع کے حق سے بھی محروم کردیا گیا۔ اوران کے خلاف ہر طرح کے جرائم کا ارتکاب کیا گیا، (لہٰذا ہمیں بھی ایسے لوگوں کے شور شرابے کی) کچھ پروانہیں۔ عربوں کی ضرب المثل ہے کہ

”لن يضير السحاب نباح الكلاب“

کہ ”کتوں کا بھونکنا، بادلوں کو ذرہ برابر نقصان نہ دے گا۔ اور ان کا حال بزبان شاعریوں ہے۔“

كَنَاطِحٍ صَخْرَةٍ يَوْمًا لِيُوْهِنَهَا

فَلَمْ يَضُرْهَا وَاَوْهٰى قَرْنَهُ الْوَعِلُ

''اس پہاڑی بکرے کی طرح جو کسی دن پتھر کو کمزور کرنے کے لیے اسے ٹکریں مارنے لگا، پتھر کا تو کچھ نقصان نہ ہوا لیکن بکرے کے اپنے سینگ اکھڑ گئے۔''

اسلامی مملکت (حدود اللہ کے نفاذ کے خلاف) کسی قسم کے شور شرابے کو خاطر میں نہیں لائے گی اور نہ ہی کسی حاسد کے خلاف کچھ کہے گی اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر صبر کرے گی اور اس بات پر عمل پیرا رہے گی۔

اِصْبِرْ عَلٰى غَيْظِ الْحَسُوْدِ
فَاِنَّ صَبْرَكَ قَاتِلُه
فَاِنَّ النَّارَ تَأْكُلُ بَعْضَهَا
اِنْ لَمْ تَجِدْ مَا تَأْكُلُه

''کہ حاسدوں کے دانت پیسنے پر صبر کیجئے کیونکہ تمہارا صبر ہی انہیں کھا جائے گا کیونکہ جب آگ کو جلانے کے لیے کوئی چیز نہ ملے تو وہ یقینی طور پر اپنے آپ کو کھا کر راکھ ہو جائے گی۔''

جو لوگ انسانی حقوق کے عالمی اعلان مجریہ 1947ء پر فخر کرتے ہیں اور اسے انسانی روابط کی اعلیٰ مثال قرار دیتے ہیں اور اسے تہذیب و تمدن کی چوٹی قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے پہلے اس طرح کا کوئی دستور نہیں بنایا! گیا وہ درحقیقت اسلام اور اس کے انسان کے ساتھ آبرو مندانہ برتاؤ اور اس کے حقوق کی حفاظت کے قوانین سے جاہل ہیں، انہیں کیا پتہ کہ اسلام نے انسان کی زندگی

کے مسائل کو منظم کرنے اور اسے سیدھی راہ پر گامزن کرنے اور اسے ہلاکت و بربادی کی کھائیوں سے بچانے کے لیے کیسے اصول وضع کیے ہیں!

اس لیے ان جاہلوں یا متجاہلوں کے سامنے اسلام کے روشن چہرے، اور انسانی حقوق کے متعلق اس کے نظریے کی نقاب کشائی کرنی چاہیے اور انہیں اسلام کے ایسے اصول و مبادیات سے آگاہ کرنا چاہیے جو اس نے انسانی حقوق کے سلسلے میں وضع کیے ہیں (تاکہ ان پر یہ حقیقت آشکارا ہو جائے) کہ اسلام کے حقوق انسانی اور جُہَّالِ اَنام کے اعلان کردہ حقوق انسانی کے درمیان برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا: اَیْنَ الثُّرَیَّا وَاَیْنَ الثَّرٰی.

اس مختصر مقدمے میں اس موضوع پر تفصیل کی ضرورت نہیں بلکہ اس بحث کو ہم فاضل مؤلف پروفیسر ڈاکٹر سلیمان بن عبدالرحمٰن الحقیل پر چھوڑتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے مقدمے میں اس موضوع پر چھ فصلوں میں غیرت مند اور خود دار مسلمان کی طرح بحث کی ہے اور تاریخ و اسلام اور وضعی (سیکولر) قوانین کے حوالے سے انسانی حقوق کے مفہوم کی تشریح کی ہے اور حدود اللہ کے قیام اور ان کے بہترین نتائج پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ان خرابیوں سے بھی خبردار کیا ہے جو ان کے عدم نفاذ سے پیدا ہوتی ہیں اور چھٹی فصل میں اس موضوع پر اعداء اسلام کی طرف سے پھیلائے گئے شبہات کا رد کیا ہے اور اسلامی معاشرے کو حق اور سچ کا موقف اجاگر کرنے اور باطل کی کج روی کو منظر عام پر لانے اور قلب و نگاہ سے پردے ہٹانے کے لیے اس طرح کے لٹریچر کی بڑی ضرورت ہے تاکہ جھوٹے پروپیگنڈے اور گمراہ کن شبہات کی نشر و اشاعت سے جنم لینے والے زہریلے اثرات کا خاتمہ ہو سکے۔

جو شخص انصاف کی آنکھ سے اسلام اور اس کے محاسن اور اسلامی معاشرے کے رولز (Rules) اور اس کے افراد کے درمیان روابط اور اس کے انسانی حقوق پر مشتمل، اس مقالے اور اس جیسی دیگر تالیفات کا مطالعہ کرے گا، اس پر آشکارا ہوجائے گا کہ جس دین کو خالق بشر نے ساتوں آسمان کے اوپر سے نازل فرمایا ہے، اس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ کے ہاں پسندیدہ دین، اسلام ہی ہے اور اس پر یہ بات بھی آفتاب نیمروز کی طرح آشکارا ہوجائے گی کہ انسان کی سعادت اور خوش نصیبی، اسلام کے سائے میں زندگی بسر کرنے اور اس کے مضبوط زنجیر کو تھامنے اور اس کے احکام کی اتباع کیے بغیر پوری نہیں ہوسکتی۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کی ریسرچ سے نفع بخشے اور ان کی جدوجہد اور محنت میں برکت فرمائے (آمین) والحمد للہ رب العالمین!

عبداللہ بن عبدالمحسن ترکی

وزیر مملکت برائے اسلامی امور

واَوقاف ودعوت واِرشاد

مقدمہ

(از پروفیسر ڈاکٹر سلیمان بن عبدالرحمٰن الحقیل)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، اَلَّذِیْ خَلَقَ الانسَانَ وَ كَرَّمَهٗ عَلٰى جَمِيْعِ خَلقِهٖ وَ شَرَّفَهٗ بِالدِّيْنِ وَ مَيَّزَهٗ بِالعَقلِ وَحَرَّرَهٗ مِنَ العُبُودِيَةِ لِغَيْرِهٖ، وَشَرَعَ لَه طَرِيقَ الخَيْرِ فِي الدُّنيَا وَالْاٰخِرَة وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَ أَصْحَابِهٖ أَجمَعِيْنَ.

ہر طرح کی تعریف، کائنات کو پالنے والے اللہ کے لیے ہے، جس نے انسان کو پیدا فرمایا اور اسے تمام مخلوق پر بزرگی عطا اور اسے دین کے ذریعے شرف بخشا اور عقل کے ذریعے امتیازی مقام عطا فرمایا اور اس کے لیے دنیا و آخرت میں خیر کا راستہ مشروع فرمایا (مزید برآں) ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر اور آپ کے تمام صحابہ کرام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود و سلام ہو۔

بعد ازاں! مجھے فرحت و شادمانی ہو رہی ہے کہ میں انسانی حقوق کے متعلق ''حقوق الانسان فی الاسلام و الرد علی الشبہات المثارة حولها'' کے نام پر قارئین کرام کے سامنے ایک کتاب پیش کر رہا ہوں۔

اس کتاب کی تیاری کا بنیادی مقصد، کتاب وسنت میں بیان کیے جانے والے انسانی حقوق کو آشکارا کرنا ہے اور اس کے ذریعے بیان کرنا مقصود ہے کہ اسلام کو انسانی حقوق کی بنیاد اور تعیین کے سلسلے میں ہر قسم کے بین الاقوامی معاہدات اور اعلانات اور ہر طرح کے باہمی سمجھوتوں پر چودہ صدیوں سے زائد عرصہ سے سبقت حاصل ہے اور یہ کہ انسانی حقوق کے عالمی اعلانات اور دیگر عالمی سمجھوتے اور معاہدے اور اقوام متحدہ کے ہر طرح کے چارٹرز اور واؤ چرز وغیرہ، اسلام کے پہلے سے بیان کردہ انسانی حقوق کی صدائے بازگشت ہیں۔ اسلام نے انسانی حقوق کی کفالت اور حفاظت کے لیے فرد اور معاشرے کی انفرادی اور اجتماعی مصلحت کو مدنظر رکھ کر انسانی حقوق کے قابل قبول قوانین وضع کیے ہیں (چنانچہ انسان کی زندگی میں اس کی مصلحت اور اس کے انسانی حقوق اور معاشرے کی مصلحت کو مدنظر رکھنا) ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ادراک کرنا، اسلام اور اس کی تعلیمات کے متعلق ظاہری اور باطنی بینائی رکھنے والے تمام انسانوں پر واجب ہے کیونکہ اسلام میں بیان کردہ ربانی قوانین ان تمام قوانین وضوابط سے بڑھ کر ہیں جو جدید تہذیب وتمدن کو اپنے ماہرین اور ذیلی اداروں اور تنظیموں کے ذریعے معلوم ہوئے ہیں۔

چنانچہ یہ کتاب بالعموم ان شبہات کے جوابات پر مشتمل ہے جو دشمنان اسلام کی طرف سے اسلام میں انسانی حقوق کے متعلق پھیلائے جاتے ہیں اور ان کا زیادہ تر تعلق حدود شرعیہ کے نفاذ پر ہے۔

اور میں اس حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ مملکت اسلامیہ سعودیہ میں حدود شرعیہ کے قیام کی وجہ سے اس کے خلاف انسانی حقوق کی خلاف درزیوں

کا پروپیگنڈہ، دراصل اسلام میں انسانی حقوق کے خلاف شبہات کا تسلسل ہے۔ کیونکہ مملکت سعودیہ، زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی تعلیمات پر سختی سے کار بند ہے۔

اسلامی قانون کے مخالفین اور اس کی سادہ تعلیمات سے نابلد لوگ مملکت سعودیہ پر انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا بہتان لگاتے ہیں کہ وہ عمداً قتل کرنے والے مجرم کو قصاص میں قتل کر دیتی ہے اور شادی شدہ زانی کو سنگسار کرتی ہے اور کنوارے زانی کو کوڑے مارتی ہے اور شرابی کو حد لگاتی ہے اور بہتان لگانے، ڈاکہ ڈالنے، مرتد ہونے اور بغاوت کرنے والوں پر شرعی حدود نافذ کرتی ہے۔ مملکت سعودیہ کا شرعی حدوذ کو نافذ کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ کرنا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیں مقرر کی ہیں اور ان کے نفاذ کا حکم دیا ہے اور شرعی حدود کا نفاذ، دراصل انسانی حقوق کی حفاظت اور ان کی نگہبانی اور ان کے احترام کا حصہ ہے اور ان کا عدم نفاذ (درحقیقت) انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔

دراصل اسلام میں شرعی حدود، انسان کے بنیادی حقوق کی حفاظت کے لیے مشروع کی گئی ہیں چنانچہ (غور فرمایئے) کہ انسانی زندگی کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے حد قصاص اور اجتماعی حفاظت (سوشل سیفٹی) کے حق کی حفاظت کے لیے حرابہ (ڈاکہ زنی) کی حد، اور ملکیت کے حق کی حفاظت کے لیے چوری کی حد جاری کی گئی ہے اور نسل کے حق کی حفاظت اور اجتماعی زندگی کی تعمیر اور اس کی نگہداشت کے لیے زنا کی حد مقرر کی گئی ہے اور انسان کی آبرو اور ساکھ کے حق کی حفاظت کے لیے قذف اور انسان کی عقل وفکر کے حق کو محفوظ رکھنے کے لیے منشیات اور شراب خوری کی حد مشروع کی گئی ہے۔ چنانچہ اسلام میں حقوق کو

حرمات کا نام دیا گیا ہے اور انہیں پامال کرنا، جرم قرار دیا گیا ہے۔ یہ ہیں اس کتاب کی تالیف کے دو بنیادی مقاصد!

ان مقاصد سے ذیلی مقاصد بھی بر آمد ہوں گے، میں ان مقاصد کو ثابت کرنے کے لیے اس کتاب کی الگ الگ فصلیں مقرر کروں گا اور یہ کتاب چھ فصلوں پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل

میں نے اس فصل کو تاریخی تسلسل کے حوالے سے انسانی حقوق اور ان کے ارتقاء پر بحث کے لیے مختص کیا ہے اور کتاب وسنت میں لفظ حقوق اور انسان کے استعمال کی وضاحت کی ہے اور وضعی (سیکولر) قوانین میں انسانی حقوق کے مفہوم پر بحث بھی کی ہے مزید برآں اس فصل میں تاریخ کے حوالے سے انسانی حقوق کے ارتقاء کے سلسلے میں بحث کر کے بتایا ہے کہ اسلام کو انسانی حقوق کی تعیین اور حفاظت کے معاملے میں بین الاقوامی معاہدوں پر سبقت حاصل ہے۔

دوسری فصل

یہ فصل اسلام میں انسانی حقوق کے متعلق ہے اس میں اسلام میں انسان کی حیثیت پر بحث کی گئی ہے اور اسلام کے پیغام کی جنرل خصوصیات بیان کی گئی ہیں اور اسلام میں انسان کے حقوق کے سرچشموں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

اس کے عنوانات یہ ہیں:

- اسلام میں حقوق کی قدر و منزلت
- کتاب وسنت کی روشنی میں انسانی حقوق

❁ اسلام میں انسانی حقوق کے خصائص وامتیازات

ان حقوق کے امتیازات یہ ہیں کہ یہ مطلق نہیں ہیں بلکہ یہ ایسے ضوابط کے ساتھ مقید ہیں کہ ان کا استعمال، اسلامی قانون کے مقاصد سے متصادم نہ ہونے کا ضامن ہے اور میں نے اس بات کی وضاحت کرنے کی غرض سے تین مثالیں بیان کی ہیں کہ یہ حقوق اپنے متعلق تقیید اور ضابطوں کے متقاضی ہیں۔

اور ان کے ضابطے یہ ہیں:

[1] اسلام میں آزادی ضمیر اور تعبیر کے ضابطے

[2] اسلام میں دینی آزادی کے ضابطے

[3] اسلام میں ملکیت کے ضابطے اور پابندیاں

تیسری فصل

میں نے اس فصل میں انسانی حقوق کے متعلق انجمن اقوام متحدہ کے عالمی اعلان مجریہ 1948ء پر تبصرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ اعلان، جسے انسانی حقوق کے متعلق بشری عقل کی اَوج کمال قرار دیا گیا ہے یہ درحقیقت اسلام کے بیان کردہ انسانی حقوق کے قوانین کی صدائے بازگشت ہے جو اس نے چودہ صدیاں قبل مقرر کئے تھے علاوہ اَزیں میں نے اس اعلان کی قانونی قدر و قیمت کی وضاحت بھی کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس اعلان میں بیان کردہ دفعات محض سفارشات ہیں جو پابندی اور لزوم کی حد تک نہیں پہنچتیں۔

علاوہ ازیں میں نے اس اعلان کی بعض شقوں کے متعلق بعض اسلامی حکومتوں کے تحفظات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور ان میں سرفہرست مملکت سعودیہ ہے

کیونکہ اس اعلان کی دفعات میں ایسی شقیں بھی ہیں جو اسلامی تعلیمات سے ٹکراتی ہیں اور جب تک یہ شقیں اسلامی تعلیمات سے ٹکراتی رہیں گی انہیں یقینی طور پر انسان کے اصلی حقوق کے منافی قرار دیا جاتا رہے گا۔

چوتھی فصل

میں نے اسے اسلام میں انسانی حقوق اور سیکولر دستاویزات کے درمیان موازنے کے لیے خاص کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسلام میں انسانی حقوق، عالم بشر کے بتائے گئے حقوق پر فوقیت رکھتے ہیں اور یہ موازنہ تین بنیادی نکات پر مشتمل ہے اور یہ موازنہ اسلام میں انسانی حقوق اور بین الاقوامی دستاویزات کے درمیان اس اعتبار سے ہوگا۔

(ا) اوّلیت اور وجوبیّت کے اعتبار سے

(ب) گیرائی اور گہرائی کے اعتبار سے

(ج) ضمانت اور حفاظت کے اعتبار سے

پانچویں فصل

یہ فصل حدود کے قیام اور اس بات کے اثبات پر مشتمل ہے کہ حدود کا قیام، انسانی حقوق کے احترام اور ان کی حفاظت اور نگہبانی کا ذریعہ ہے اور ان کا التواء اور بندش، انسانی حقوق کی بے حرمتی کا پیش خیمہ ہے اور اس حقیقت کی وضاحت کے ساتھ ہی مندرجہ ذیل موضوعات کا جائزہ مکمل ہو جائے گا۔

اسلام میں سزاؤں کا مفہوم . حدود اور اس کی اقسام کا مفہوم، شرعی حدود کے

قیام سے متوقع مقاصد کے حصول کا بیان، حدود شرعیہ کے خصائص اور امتیازات، حدود شرعیہ کے قیام کی حکمت کا اظہار، حدود شرعیہ کے قیام کے فوائد اور ان کے التواء اور الغاء کے نقصانات۔

اور میں نے اس فصل کو اس معاشرے کے درمیان جہاں حدود شرعیہ نافذ کی جاتی ہیں اور جہاں وہ نافذ نہیں کی جاتیں، کے درمیان موازنے پر ختم کیا ہے۔ تاکہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حدود اللہ کا نفاذ، معاشرہ کے لیے ہر اعتبار سے امن کا ضامن ہے اور ان کا التواء اور عدم نفاذ، معاشرے میں انارکی، افراتفری اور انتشار و بگاڑ کا الارم ہے اور میں نے چھٹے باب کو اسلام میں انسانی حقوق کے متعلق پھیلائے جانے والے شبہات پر رد کے لیے مختص کیا، خصوصاً ایسے شبہات جو حدود شرعیہ کے خلاف پھیلائے جاتے ہیں۔

اور میں نے اس کتاب کے آخر میں سعودی عرب کے وزیر خارجہ محترم جناب سعود الفیصل حفظ اللہ کا خطاب بھی شامل کر دیا ہے جو انھوں نے انسانی حقوق کی عالمی کانفرنس منعقدہ 1414ھ میں ارشاد فرمایا تھا۔ کیونکہ وہ خطاب قرآن و سنت کی روشنی میں انسان کے بنیادی حقوق کے متعلق سعودی حکومت کے موقف کی اظہر من الشمس تاریخی دستاویز ہے۔

اور آخر میں، میں ایک حقیقت کا اعتراف کرنا پسند کرتا ہوں کہ میں نے اس کتاب کی تیاری میں جتنی بھی کوشش کی ہے وہ ان الفاظ کی ملخص ہے کہ میں نے اپنی استطاعت کے مطابق، قرآن و سنت کی روشنی میں انسانی حقوق بیان کیے ہیں۔ پھر میں نے اپنی طاقت کے مطابق اسلام میں انسانی حقوق کے خلاف پھیلائے گئے شبہات کو اکٹھا کیا ہے اور پھر اسلام میں انسانی حقوق کے متعلق

قدیم و جدید علماء کرام کے ارشادات کے حوالے سے، اِن کا کافی وشافی جواب دیا ہے اور علمی امانت کو ادا کرنے کی غرض سے میں نے اپنی کتاب میں ان علمائے کرام کی کتابوں اور ان کے اسمائے گرامی بھی ذکر کردیئے ہیں۔

میں آخر میں اللہ جل وعلا سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میرے اس عمل کو اپنی خوشنودی کے لیے خالص کردے اور اس کتاب کے مؤلف اور قاری کو نفع عطا فرمائے۔

اور میں اس موقع پر اس کتاب کے قارئین سے التماس کروں گا وہ مہربانی فرما کر مجھے اس کتاب کے متعلق اپنی قیمتی آراء اور گرانقدر ارشادات سے آگاہ فرمائیں۔ کیونکہ مؤمن، مومن کا آئینہ ہے اور جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے اس وقت تک اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے۔

مؤلف

پروفیسر ڈاکٹر سلیمان بن عبدالرحمٰن الحقیل
ایجوکیشنل لیکچرار امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی

پہلی فصل:

انسانی حقوق کا مفہوم

اور تاریخی ادوار کے ساتھ ان کا ارتقاء

(یہ فصل انسانی حقوق کے مفہوم اور تاریخ کے حوالے سے ان کے ارتقاء کے متعلق ہے اور اس میں مندرجہ ذیل موضاعات زیر بحث آئیں گے۔)

اولاً: انسانی حقوق کا مفہوم، اس کے تحت مندرجہ ذیل عنوانات پر بحث ہوگی۔

[1] کتاب وسنت میں لفظ حقوق اور لفظ انسان کا استعمال

[2] قانون ساز اداروں کے ہاں انسانی حقوق کی تعریف

[اس عنوان کے تحت دو اداروں کے نظریات کی تفصیل بیان ہوگی]

پہلا ادارہ: جو انسانی حقوق کو جنرل (GENERAL) آزادیوں کے نظریے سے وابستہ کرتا ہے۔

دوسرا ادارہ: جو سمجھتا ہے کہ انسانی حقوق کو خاص خود مختاری حاصل ہے، اور وہ جنرل (GENERAL) آزادیوں میں شامل نہیں ہیں۔

ثانیاً: ادوار تاریخ کے اعتبار سے انسانی حقوق کے متعلق تاریخی شذرہ

[اس شذرے میں درج ذیل عنوانات پر بحث ہوگی]

[1] اسلام چودہ صدیوں سے زائد عرصہ قبل، انسانی حقوق متعین کرتا ہے۔

[2] انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین میں انسانی حقوق کا ارتقاء۔

انسانی حقوق کا مفہوم

اسلام اور انسانوں کی وضع کردہ دستاویزات میں انسانی حقوق پر بحث، اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم بالترتیب اسلامی نقطہ نظر سے اور قانون ساز اداروں کے نقطہ نظر سے انسانی حقوق کی اصطلاح سے آگاہی حاصل کریں۔

قرآن وسنت میں لفظ حق اور لفظ انسان کا استعمال

جب ہم لفظ حق اور لفظ انسان کے قرآن وسنت میں استعمال پر غور کرتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ لفظ حق کی جمع حقوق ہے اور حق، باطل کا متضاد ہے قرآن کریم میں ہے:

﴿ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ ﴾ [بقرہ : 42]

''اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو۔''

اور جب کوئی معاہدہ واجب اور ثابت ہو جائے یا وہ اس طرح واضح ہو جائے کہ شک کی گنجائش نہ رہے تو کہا جاتا ہے حق الامر اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے ضمن میں سورۃ بقرہ سے لے کر سورہ عصر تک دوصد تراسی (283) جگہوں میں (ح، ق، ق) کے تحت حق کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

سورۃ بقرہ میں ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَاَمَّا

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ [البقرة : 26]

"بے شک اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ مچھر یا اس سے برتر چیز کی مثال بیان کرے۔ کیونکہ وہ لوگ جو ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔"

اور سورہ عصر میں ہے:

﴿ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ [العصر : 3]

"اور وہ آپس میں حق کی وصیت کرتے ہیں اور صبر کی وصیت کرتے ہیں۔"

اور یہ لفظ حق، حقت، بحق، استحق، حقا، حقه، حق، حقیق۔ جیسے کلمات کی صورت میں استعمال ہوا ہے (لفظ حق 226 جگہوں اور باقی جگہوں میں واحد اور تثنیہ کی صورت میں)

معجم المفهرس لا لفاظِ الحدیث النبوی کے مؤلف نے اشارہ کیا ہے کہ سنت نبویہ میں دوصد اٹھاون احادیث میں (ح۔ق۔ق) کے مادہ کے تحت لفظ حق استعمال ہوا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے لفظ حق کو اپنے ناموں میں شامل فرما کر عزت بخشی ہے چنانچہ قرآن میں ہے:

﴿ ثُمَّ رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ ﴾ [الانعام : 62]

"پھر وہ اپنے برحق مولیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ﴾ [مومنون : 116]

''اللہ، برتر اور بادشاہ اور برحق ہے۔'' تیسرے مقام پر فرمایا:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ﴾ [الحج : 6]

''یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ہی برحق ہے۔''

لفظ حق محض اللہ تعالیٰ کے اسماء میں شامل ہی نہیں بلکہ وہ اس کی کتاب عزیز اور اس کے دین کا وصف بھی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ ﴾ [النساء : 170]

''اے لوگو! ہمارا رسول تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر آیا۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ﴾ [مائدہ : 84]

''اور ہم اللہ پر کیوں ایمان نہ لائیں اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف حق آیا۔''

تیسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَ هُوَ الْحَقُّ ﴾ [الانعام : 66]

''اور تیری قوم نے اسے جھٹلا دیا اور وہ حق ہے۔''

سورہ یونس میں ہے:

﴿ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴾ [یونس : 94]

''تحقیق تیری طرف، تیرے رب کی طرف سے حق آیا اس لیے تو نے شک میں پڑنے والوں میں سے نہ ہونا۔''

سورہ رعد میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ ﴾ [رعد : 1]

''اور وہ چیز جو تیری طرف تیرے رب کی طرف سے نازل ہوئی وہ حق ہے۔''

سورہ حدید میں ہے:

﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ [حدید : 16]

''کیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے لپک پڑیں اور جو اس کی طرف، جو حق نازل ہوا ہے۔''

مزید فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ ﴾ [فتح : 28]

''اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ ہدایت اور نصرت کے سلسلے میں بھی اللہ تعالیٰ ہی امر حق کا والی ہے۔''

سورۃ یونس میں ہے:

﴿ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ﴾ [الایہ : 35]

''کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ﴾ [اسراء : 81]

"کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا۔"

اور سورہ انبیاء میں ہے:

﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ ﴾ [الایة : 18]

"بلکہ ہم حق کے ساتھ، باطل پر ضرب لگاتے ہیں۔"

جبکہ لفظ انسان کا اصلی مادہ (أ، ن، س) ہے اور یہ انسان، الناس إنس پر مشتمل ہے۔ چنانچہ لفظ انسان اپنے عام عرف کے اعتبار سے بنو آدم کا فرد ہے اور اس کی جمع أناسین اور أناسی آتی ہے۔[2]

دوسری جمع پر دلالت کرنے والے صیغوں میں سے ایک صیغہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان میں ہے:

﴿ وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴾ [الفرقان : 49]

"تا کہ ہم یہ پانی اپنے پیدا کئے ہوئے بہت سے مویشیوں اور انسانوں کو پلائیں۔"

اور قرآن کریم میں انسان کا ذکر سورۃ نساء سے لے کر سورہ عصر تک پنیسٹھ (65) جگہوں میں آیا ہے چنانچہ سورۃ نساء میں ہے۔

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴾ [الآية : 28]

"اللہ تعالیٰ پر آسانی کرنا چاہتا ہے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔"

سورۃ عصر میں ہے:

﴿ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴾ [الآية : 2]

"قسم ہے عصر کی بے شک انسان خسارے میں ہے۔"

أ، ن ،س کے مادہ کے تحت ذکر ہونے والا دوسرا لفظ الناس ہے اور یہ لفظ اسم جنس ہے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کائنات کی انواع میں نوع بنی آدم پر دلالت کرتا ہے اور قرآن کریم میں لفظ الناس سورہ بقرہ سے لے کر سورۃ الناس تک دو صد اکتالیس (241) مرتبہ وارد ہوا ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں ہے۔

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الآية : 8]

"اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔"

اور سورۃ الناس میں یہ لفظ پانچ مرتبہ ذکر ہوا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ o مَلِكِ النَّاسِ o اِلٰهِ النَّاسِ o مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ o الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ o مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ [الناس]

"کہہ دیجئے میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی، لوگوں کے مالک کی، لوگوں کے معبود کی، خناس کے وسوسے کی شر سے، جو وہ لوگوں کے سینوں میں پھونکتا ہے، (وہ خناس) جنوں میں سے بھی ہیں اور لوگوں میں سے بھی۔"

جبکہ (أ، ن، س) کے مادہ سے تیسرا لفظ إنس، لغوی دلالت کے اعتبار سے انسان کے ساتھ مشترک ہے لیکن موضوعی استعمال میں اس سے منفرد ہے، چنانچہ قرآن کریم میں لفظ إنس اٹھارہ جگہ استعمال ہوا ہے اور لفظ جن کے تقابل میں وارد ہوا ہے اور ہمیں اس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ملتی ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾ [انعام : 113]

''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں کے شیطانوں کو دشمن بنایا ہے وہ باہم ایک دوسرے کی طرف ملمع ساز جھوٹی باتوں کی وحی کرتے ہیں۔''

اور انتہاء، اللہ کے اس قول میں ملتی ہے جو سورۃ جن میں ہے۔

﴿ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ﴾ [الجن : 6]

''اور حال یہ تھا کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ، جنوں کے لوگوں سے پناہ حاصل کرتے تھے چنانچہ اس بات نے ان کو گمراہی میں زیادہ پھنسا دیا۔''

اور انسان سے مراد یہی آدمی ہے جس کی پیدائش کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے اس قول میں مذکورہ ہے۔

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴾ [مؤمنون : 12]

''اور ہم نے انسان کو کھنکھنانے والی مٹی سے پیدا کیا پھر اسے محفوظ مقام پر نطفہ بنایا پھر ہم نے نطفے سے لوتھڑا پیدا کیا پھر ہم نے لوتھڑے سے بوٹی

پیدا کی پھر ہم نے بوٹی سے ہڈیاں پیدا کیں پھر ہم نے ہڈیوں کو گوشت پہنایا پھر ہم نے اسے دیگر تخلیق عطا کی، سو اللہ تعالیٰ بابرکت ہے سب سے اچھا پیدا کرنے والا۔"

[یہ ہے کتاب وسنت میں استعمال ہونے والے دولفظوں یعنی حق اور انسان کا مختصر تعارف]

سیکولر قوانین میں انسانی حقوق کی تعریف

مختلف قسم کے بہت سے نظریاتی ادارے، سیکولر قوانین میں انسانی حقوق کی تعریف میں متنازع ہیں، طوالت کے خوف سے ہم ان اداروں میں سے صرف دو کا ذکر کرتے ہیں۔

پہلا ادارہ، انسانی حقوق کو جنرل آزادیوں کے نظریئے سے منسلک کرتا ہے۔

اور دوسرا ادارہ یہ سمجھتا ہے کہ ان حقوق کو خاص استقلال (خودمختاری) حاصل ہے اور وہ جنرل آزادیوں میں خلط ملط نہیں ہیں۔

انسانی حقوق کی تعریف کا پہلا ادارہ

اور یہ انسانی حقوق کا یورپی ادارہ ہے، جس نے اپنے کندھے پر انسانی حقوق کی تعریف کا بوجھ اٹھا رکھا ہے، اس ادارے کے نظریے کو اختصار کے ساتھ ان لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے کہ انسانی حقوق محض ایک جدید اصطلاح ہے جو اب تک حقوق اور جنرل آزادیوں کے نام سے متعارف کرائے جانے والے نظریات پر بولی جاتی ہے۔[3]

یہ ادارہ اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں، یورپ میں معرض وجود میں

آیا اور یورپی فقہ (Thik) میں دستوری قانون کے معاصر فقہاء کی اکثریت کو اپنے گرد جمع کر رہا ہے اور اسی ادارے سے انسانی حقوق کا معاصر امریکی نظریہ ظہور پذیر ہوا، اور اس ادارے نے انسانی حقوق کی یہ تعریف نشر کی کہ اس سے مراد جنرل آزادیاں ہیں۔

یعنی کسی بھی آئین کے تحت، پبلک کے افراد کو ان کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے جائز یا میسّر ذرائع فراہم کرنا، چنانچہ وہ ہر طرح سے آزادی اور بغیر کسی دباؤ یا مجبوری یا جعل سازی کے اِن ذرائع کا تجربہ کرتے ہیں یا ان کے فوائد سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ [4] یا پھر ان سے مراد، مختلف تعداد اور متعین عرصہ تک کے لیے محدود طرز کے وسائل یا ذرائع ہیں جنہیں دورانِ تنظیم تنظیمی تجربہ کے لیے، معین نظریات کے دباؤ کے تحت قانون لازم قرار دے [5] یا پھر ان سے مراد، فرد کے لیے ایسا مرکز ہے جو اسے کسی محدود کام کرنے کے لیے خود مختاری کی پوزیشن مہیا کرے، اور اس کا معنی یہ ہوا کہ آزادی کے جوہر سے مراد، اختیار کی پابندی کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کو فرد کی معنوی اور مادی سرگرمیوں کے بعض پہلوں سے روکنا [6] یا پھر ان سے مراد، بغیر کسی خارجی دباؤ اور ڈائرکشن کے فرد کو قائل کرنا کہ وہ اپنے طرزِ عمل کو ذاتی طور پر اپنے آپ تک محدود رکھے۔ [7]

ان تعریفات کی بناء پر ہم انسانی حقوق کے امتیازی خصائص کو اس ادارہ کے فقہاء کے مفہوم میں جنرل آزادیوں سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ [8] چنانچہ اس مفہوم کے مطابق انسانی حقوق نظریہ آزادی سے مرتبط ہیں۔ [9]

انسانی حقوق کی تعریف کا دوسرا مکتب فکر، جو انہیں جنرل آزادیوں سے جدا رکھتا ہے

انسانی حقوق کو نظریہ آزادی سے مرتبط کرنے والے مکتب فکر کے مقابلے میں دوسری جنگ عظیم کے بعد انسانی حقوق کا علمبردار نیا مکتب فکر نمودار ہوا، اور اس مکتبِ فکر کا موقف یہ ہے کہ انسانی حقوق اور جنرل آزادیوں کا اختلاط مسترد کر دیا جائے کیونکہ آزادی ہمیشہ کسی کام پر قدرت یا کسی کام کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کی قدرت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے یا پھر وہ کسی ذمہ داری کو ادا نہ کرنے پر مصر رہنے کا نام ہے اس کا مطلب یہ ہوا، کہ آزادی کو انسانی حقوق سے جدا نہ کرنا، آزادی کے حامل فرد کو حکومتی اختیار سے صادر ہونے والے محدود معاملے میں قانون کے سامنے اکڑ جانے تک پہنچا دیتا ہے اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ جنرل آزادیاں اس لیے نہیں ہوتیں کہ وہ تمام افراد کو شامل ہیں بلکہ وہ تو مملکت کے مقابلے میں تجربہ کے لیے ہوتی ہیں۔ جبکہ انسانی حقوق (الحق) کے نظریے سے پھوٹتے ہیں اور حق کا معنی، آزادی سے زیادہ وسیع ہے بلکہ وہ آزادی کو بھی اپنے ضمن میں رکھتا ہے کیونکہ کچھ حقوق ایسے بھی ہیں جنہیں آزادی سے تعبیر کرنا ممکن نہیں ہے مثلاً سوشل سیکورٹی انشورنس کا حق، جبکہ تمام آزادیاں ضرورت کے تحت کسی طرح کے حقوق کو ضمن میں لے لیتی ہیں مثلاً آزادی میں

حق، مزید برآں اس مکتب فکر کے مفہوم میں حق کا معنی، مکمل طور پر اس مفہوم کے الٹ ہے جو خود ساز قوانین کے حامیوں کے ہاں متعارف ہے۔ اسی طرح ان کی نظر میں حق ایک مصلحت ہے جس کی قانون حفاظت کرتا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ یہ حق، انسان کے انسان ہونے کے ناطے سے اس کی انسانیت کے متعلق ہے یا نہیں، کیونکہ کچھ حقوق ایسے بھی ہیں جنہیں قانون، افراد کے لیے مقرر کرتا ہے خواہ ان کا شمار انسانی حقوق میں نہ بھی ہو۔ اس اصول سے انسانی حقوق کی تعریف اس طرح کی جائے گی کہ وہ حقوق جن کا فرد کے لیے بطور انسان ہونے کے اعتراف کیا گیا ہے وہ ان خود ساختہ حقوق سے مختلف ہیں جنہیں اس قدر قانونی حفاظت کی سپورٹ سے مشروط کیا گیا ہے تاکہ ان حقوق کا مطالبہ ممکن ہو سکے۔[10] شریعت اسلامیہ اور قانون ساز مکاتب فکر کے ہاں انسانی حقوق کے مفہوم کے گذشتہ جائزے سے عیاں ہوگیا کہ اسلام میں انسانی حقوق کا مفہوم، کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں واضح اور محدود ہے جبکہ یورپی تھیوری انسانی حقوق کا مفہوم آج تک متعین نہیں کر سکی اور وہاں کے مختلف آئین ساز مکاتب فکر ان کی تعریف پر آج تک متفق نہیں ہو سکے اور نہ ہی ابھی تک انسانی حقوق کی جامع تعریف کر سکے ہیں...... یہ تو ہے انسانی حقوق کے مفہوم کا مختصر جائزہ

باقی رہی یہ بات کہ ان نظریات نے انسان کو کون سے حقوق دیئے؟ اور اس کی انسانیت کو بچانے کے لیے کون سے احکام اور اصول وضع کیے؟ تاکہ وہ ان کے مطابق عمل کر کے اپنی زندگی کے مشن کو پورا کرے، اور اسلام سے قبل انسان کی صورت حال کیا تھی؟ اور شریعت اسلامیہ نے اس کے تشخص کے بچاؤ اور اس کی انسانیت کی حفاظت کے لیے کیا کچھ مقرر کیا؟

اور اس طرح کے انسانی حقوق سے تعلق رکھنے والے دیگر سوالات کے جوابات ہی اس کتاب کا بنیادی موضوع ہوں گے۔

انسانی حقوق کے متعلق شذرہ (تاریخی اعتبار سے)

① اسلام چودہ صدیوں سے زائد عرصہ قبل انسانی حقوق متعین کرتا ہے جس دور میں کائنات جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی اور اس پر بے رحم طاقت کی حکمرانی تھی اور اس میں حق اور انصاف نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی اس دور میں اسلام آیا تاکہ وہ انسان کے مسائل کو منظم کرے اور اس کے اپنے رب کے ساتھ اور اپنی ذات کے ساتھ اور اپنی برادری کے ساتھ تعلقات کو روشناس کرے اور اس کے سیاسی، اجتماعی، اقتصادی، ثقافتی اور شہری حقوق کے سپیشل اصول مقرر کرے اور اس کی فکری، دینی، سیاسی آزادیوں کی کفالت کر کے اس کی انسانی شخصیت کی ساکھ بحال کرے۔ چنانچہ اس نے انسان کے لیے ایسے حقوق متعین کیے کہ بیسویں صدی کے جدید قوانین ان کی گرد پا کر بھی نہ پہنچ سکے اور انسان کی عزت و آبرو اور اس کے حقوق کی حفاظت کے لیے اسلام کے متعین کردہ اصول اپنی صفائی اور حسن کے اعتبار سے ان اصولوں سے کہیں زیادہ خوبصورت اور پائیدار ہیں جنہیں انسان نے خود وضع کیا ہے اور ترقی یافتہ دور نے ان تک رسائی حاصل کی ہے اور اگر کوئی انسان، انسانی عقل کے دریافت شدہ یا انسانی قوانین کے مختلف درآمد کردہ حقوق اور اسلام کے عطا کردہ حقوق کے درمیان موازنہ کرے تو اسے اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اسلام کے انسانی حقوق کہیں زیادہ منصفانہ اور برحق ہیں اور اس نے انسان کی شخصیت اور اس کی

آبرو کی حفاظت کرنے کے لیے ایسے شاندار قوانین وضع کئے ہیں کہ دیگر قوانین اس کے مقابلے میں پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔[11]

چنانچہ اس سلسلے میں شیخ محمد الغزالی فرماتے ہیں کہ:

"انسانی دنیا نے، بشری جنس کی تکریم کے لیے جو آخری اصول وقواعد اور ضمانتیں (گارنٹیز) مرتب کی ہیں وہ اسلام کی ابتدائی تعلیمات ہیں۔ انسانی حقوق کے متعلق، اقوام متحدہ کا عالمی اعلان، ان گراں قدر وصیتوں کی صدائے بازگشت ہے جو مسلمانوں نے انسان کبیر خاتم الرسل والانبیاء حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ سے اخذ کی ہیں۔"[12]

اور انسانی حقوق کے متعلق اسلامی کانفرنس کے عالمی بیان میں بھی یہی بات کہی گئی ہے کہ اسلام نے چودہ صدیاں قبل، عمیق اور ہمہ گیر انسانی حقوق مشروع کئے ہیں اور ان کے تحفظ کے لیے بہت سے اقدامات کئے ہیں اور اپنے معاشرے کو ان اصول ومبادیات کے مطابق ڈھالا ہے کہ وہ ان حقوق کو اپنے اوپر لاگو کرے اور انہیں مستحکم بنائے۔ ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں انسانی حقوق، خود ساختہ (سیکولر) دستاویزات سے چودہ صدیاں قبل مدون ہو چکے تھے۔

چنانچہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبے میں انسانی حقوق کے مبادیات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

[يَاأَيُّهَا النَّاسُ: إِنَّ رَبَّكُم وَاحِد وَ إِنَّ أَبَاكُم واحِدٌ فَكُلُّكُم لِآدَمَ وَ آدَمُ مِن تُرَابٍ إِنَّ أَكرَمَكُم عِندَاللهِ أَتقَاكُم لَيسَ لِعَرَبِي فَضلُ عَلى عَجَمِيّ إِلَّا بِالتَّقوىٰ]

''کہ اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے تم میں سے اللہ کے ہاں عزت دار وہ ہے جو سب سے بڑھ کر خوف خدا رکھنے والا ہو کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت نہیں۔''

اس وصیت کے ذریعے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ فرانس اور امریکہ اور بعد ازاں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی اعلان مجریہ 1948ء سے سبقت لے گئے۔

اس مبارک خطبہ میں (عالم) بشریت کے پیغمبر حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ نے اختصار کے ساتھ انسانی حقوق کے متعلق اسلام کا موقف آشکارا کردیا کہ لوگ مشترک انسانی قدر و قیمت میں برابر ہیں اور وہ کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں، ان کے درمیان اس بات کے علاوہ کوئی چیز فضیلت کا سبب نہیں کہ وہ خوف الٰہی کی وجہ سے نیک اعمال بجالاتے ہوں اور ان میں سے ہر کوئی اپنے رب اور اپنی ذات اور اپنی ملت اور انسانی معاشرے کے لیے بھلائی اور خیر خواہی کا جذبہ رکھتا ہو۔

ان تعلیمات کے ذریعے اسلام نے لوگوں میں حسب ونسب کے اونچ نیچ اور قوم میں فرق کی بنا پر فضیلت کے قواعد اور گروہ بندی کا قلع قمع کردیا اللہ رب العزت نے اسی سلسلے میں بیان فرمایا ہے کہ:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ﴾ [حجرات : 13]

''اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور

قبیلے بنائے تا کہ تم باہم ایک دوسرے کا تعارف حاصل کر سکو۔ بے شک تم میں سے عزت دار وہ ہے جو تم میں سے سب سے بڑھ کر اللہ کا ڈر رکھنے والا ہے۔"

اسلام نے انسان کو قبائل اور خاندانی، برادری اور گھرانے، رنگت اور نسل کے تعصب سے آزاد کیا اور اسے اس طرح کی تنگ حدود سے ایک اصل کی طرف لوٹنے والی انسانی وحدت کی وسعت کی طرف منتقل کیا (اور واضح کیا کہ) اس طرح کے نسلی اور قومی فرق کی بنا پر گروہ بندی کرنا اور آپس میں جھگڑنا کسی طرح بھی درست نہیں بلکہ ان کے آپس میں تعارف اور جوڑ اور باہمی محبت اور پیار کے سلسلہ میں کام کرنا واجب ہے۔ اور اسلام نے اس سلسلہ میں فقط قوانین اور نظریات وضع کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسانی حقوق کے ایسے قوانین حضرت رسول اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں اور ان کے بعد بھی پوری طرح نافذ تھے۔[13]

ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری، حضرت بلال بن رباح حبشی پر غصے ہوئے اور انہیں کہہ بیٹھے: "اے کالی ماں کے بیٹے!"

حضرت نبی کریم ﷺ یہ سن کر غضب ناک ہوگئے اور فرمایا حد سے تجاوز کر چکے ہو، حد سے تجاوز کر چکے ہو، گوری ماں کے بیٹے کو کالی ماں کے بیٹے پر سوائے تقویٰ اور نیک کام کے، کوئی برتری حاصل نہیں، یہ سن کر حضرت ابوذر نے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا اور حضرت بلال سے گزارش کی کہ "اٹھ اور میرے رخسار پر اپنا پاؤں رکھ دے۔"[14]

اس واقعہ سے یہ حقیقت واضح طور پر آشکارا ہوگئی کہ اسلام کی نظر میں ہر خطے

کی انسانیت، قدر و قیمت کے اعتبار سے برابر ہے اور مذہب اسلام، سفیدی اور سیاہی کی بنا پر انسانیت میں تفریق نہیں کرتا اور نہ ہی افریقی النسل اور یورپی النسل کے درمیان فرق کرتا ہے جبکہ انسانی حقوق کے عالمی اعلان پر فخر کرنے والی معاصر تہذیب کا معاملہ اس کے الٹ ہے اور اگر اسے رنگ، نسل اور قومیت کی تہذیب کا نام دیا جائے تو غلط نہ ہوگا کیونکہ اس تہذیب کی بنا پر بہت سی ترقی پذیر اور ترقی یافتہ عالمی سلطنتوں میں تسلسل کے ساتھ کسی نہ کسی رنگ میں نسلی تفریق، موجود ہے۔

(ب) سیکولر قوانین میں انسانی حقوق کا ارتقاء

انسانوں کے وضع قوانین میں انسانی حقوق کی ترقی کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ قدیم معاشروں میں حقوق کا دار و مدار قوت اور طاقت کے بل بوتے پر قائم تھا۔ طاقتور تمام حقوق سے لطف اندوز ہوتا تھا اور کمزور کے حقوق، نہ صرف یہ کہ دبا لیے جاتے تھے بلکہ اکثر اوقات اس کے حقوق سرے سے ہی مفقود ہوتے تھے اور افراد کے حقوق کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا اور کسی طرح کی شخصی اور غیر شخصی آزادیاں، نہ تو ثابت تھیں اور نہ معروف تھیں بلکہ غلامی کا قانون طبعی چیز کی طرح رائج تھا اور کام کی آزادی مقید تھی اور طبقاتی نظام معاشرے کی تعمیر کی بنیاد تھا اور قوم غلام ہوتی تھی اور عورت کا احترام سرے سے مفقود تھا اور بڑے بڑے حقوق غصب کر لیے جاتے تھے۔ تہذیبی ترقی کے بعد نیا دور نمودار ہوا اور اس نے اپنے کندھوں پر چند ضروری قوانین مدون کرنے کی ذمہ داری اٹھالی اور وہ قوانین بھی دراصل ان سر برآوردہ اشخاص کی آراء کا چربہ تھے جو اس دور کے مختصر عرصہ میں

منظر عام پر نمودار ہوئے۔ اور ان کی تاریخی مثالوں میں '' حمورابی، اور صولوں اور بارہ سلیٹوں کے قوانین ہیں اور یہ سب کے سب بابل، یونان اور قدیم روما سے متعلق ہیں چنانچہ بابل میں بیسویں صدی ق۔ م میں بابل کے بادشاہ حمورابی کا قانون ظاہر ہوا اور یہ قانون اس دور کی رائج عادات کی تدوین کا نام ہے اور وہ بھی صرف عقوبات کے متعلق ہے اور اس بات کی نشاندہی ان کے قانون قصاص سے ہوتی ہے یعنی آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت وغیرہ۔ اور یہ قانون بھی غلاموں، مقروضوں، مجرموں کے معاملہ میں سختی سے متصف ہے مثلاً اس شخص کو پھانسی دے دی جائے جو کسی کو غلام بنانے، یا کسی سے زنا کرنے، یا کسی پر ڈاکہ ڈالنے، یا کسی کو جلانے یا اسے اغواء کرنے کا جرم کرے۔

علاوہ ازیں یہ قوانین ملازمین کے درجات اور تجارتی معاملات، قرض سٹے (Stay) وغیرہ معاملات کے متعلق بھی ہیں اور اس میں بعض بنیادی حقوق کا تذکرہ بھی ہے مثلاً انفرادی ملکیت کی آزادی اور اس میں اصلی قاعدے برأۃ الذمۃ (بے قصور) پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

جبکہ یونان میں چھٹی اور ساتویں صدی قبل مسیح (560-640) کے نامور قانون دان صولون اغریقی کے قوانین متعارف تھے اس شخص نے بہت سی قانونی اور انتظامی اصلاحات کا بیڑا اٹھایا تھا جیسے قرض کی وجہ سے مجوسیوں کی رہائی، اس کے بعد اس نے مقروض لوگوں کو غلام بنانے کی ممانعت کا قانون بنایا اور عورت کو کچھ اخلاقی حقوق دیئے اور اس نے ایتھنا کے چاروں قبائل کے منتخب کردہ چار صد ججوں پر مشتمل اسمبلی کی بنیاد رکھی (اس کے اس عمل سے پتہ چلتا ہے کہ) وہ طبقاتی نظام پر ایمان رکھتا تھا کیونکہ اس نے حکومت کو مالدار طبقے میں منحصر کرنے

کے لیے قوم کے افراد کو چار طبقوں میں تقسیم کر دیا۔

جبکہ روما کی صورت حال یہ تھی کہ اس نے جمہوریت کے ابتدائی دور میں بارہ سلیٹوں کا قانون صادر کیا اور اس کا نفاذ، اس شورش کے فوراً بعد ہوا جو پانچویں صدی قبل مسیح کے نصف میں عوام کی طرف سے سرمایہ دار طبقوں کے خلاف برپا ہوئی تھی اور اس میں اس وقت کی مروجہ رومی عادات جمع کی گئیں اور انہیں تانبے کی بارہ سلیٹوں پر منقش کر دیا گیا تھا اور یہ سلیٹیں بعد والے ہر رومن قانون کی بنیاد قرار دی گئیں کیونکہ ان قوانین میں رومی قوم کے امیروں اور فقیروں کے درمیان امتیازات ختم کر دیئے گئے تھے اور مقدمات اور سزاؤں کے ایسے اصول وضع کیے گئے جو شدت اور سختی کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔

مثلاً چوری کے جرم میں ملوث چور کی پھانسی، باپ کا اپنی اولاد کو فروخت کرنا، قریبی رشتہ داروں میں عصبہ کو وارث ٹھہرانا اور ذوالارحام کو محروم کرنا وغیرہ وغیرہ یہ تھے قدیم معاشروں میں انسانی حقوق، باقی رہا یورپ میں وسطی دور، سو اس دور کے نمایاں خدوخال یہ تھے۔

انسان کی توقیر پامال کرنا، بے رحم قوانین اور ظالمانہ دستور کے ذریعے اس کے حقوق غصب کرنا اور کلیسائی لیڈروں اور بڑوں کو جاگیریں عطا کرنا اور دوسرے طبقوں کو غلام بنانا، انہیں وحشیانہ سزائیں دینا، کلیسائی نظام کے مطابق مقدمہ پیش کرنا اور سزا دینا اور خونریزی کرنا اور تفتیشی محکمے قائم کرنا، اور اس طرح انسانوں کو تلف کرنے کے دیگر قوانین[15]

تیرہویں صدی عیسوی بمطابق ساتویں صدی ہجری کی ابتداء میں حکومتوں نے کسی طرح کے انسانی حقوق کی ابتداء کی۔ چنانچہ برطانیہ میں حکمران طبقے کے

خلاف عوام کی شورش کی وجہ سے 1215ء میں بڑا اقرار نامہ جای ہوا، اور 1689ء میں اس اقرار نامے کو ایک اور اقرار نامے بنام رائٹ پٹیشن کے مکمل کیا گیا اور 1701ء میں ایک اقرار نامے بنام رائٹ ڈیکلریشن کی منظوری دے دی گئی اور 1776ء میں امریکی خودمختاری کے اعلان کے دوران انسانی حقوق کا اعلان صادر کیا گیا اور اس میں مساوات، آزادی، زندگی اور معیاری زندگی کے سلسلے میں انسانی حقوق پر زور دیا گیا۔[16]

انسانی حقوق کے ساتھ تعلق رکھنے والے معاملات میں امریکی آئین نے کئی مرتبہ پینترے بدلے مثلاً عقیدے کی آزادی، جان و مال اور گھر کی حرمت، منصفانہ عدالت کے فیصلے کے بغیر کسی کو مجرم قرار نہ دینا، وسائل معاش میں آزادی کی گارنٹیاں، غلامی کی ممانعت، مساوات کا وجوب اور یہ قوانین 1789ء تا 1791ء تک بنتے رہے۔ اور 1789ء میں فرانس میں انسانی اور قومی حقوق کا اعلان جاری ہوا، اور 1791ء میں اسے آئین کا حصہ بنا دیا گیا اس اعلامیے کا متن یہ تھا کہ لوگ آزاد پیدا کئے گئے ہیں اور وہ حقوق میں برابر ہیں اور تمام حکومتوں کا مقصد انسان کے ایسے فطرتی حقوق کی نگہبانی کرنا ہے جو زوال قبول نہیں کرتے اور وہ ہیں آزادی، ملکیت، امن، جبر کا مقابلہ کرنا اور یہ کہ حکمرانی کا سرچشمہ عوام ہیں علاوہ ازیں اس اعلان میں آزادی فکر اور رائے اور ملکیت کی وضاحت کی گئی اور قرار دیا گیا کہ سوائے جنرل پرابلم کے اور پیشگی عادلانہ معاوضے کے کسی کی ملکیت کا حق ختم نہیں کیا جاسکتا۔ پھر اس نے واضح کیا کہ انسان بنیادی طور پر بری الذمہ (بے قصور) ہے اور کسی کے لیے روا نہیں کہ وہ قانونی اصولوں کے مطابق کسی کو مجرم ثابت کئے بغیر اسے قید کرے یا اسے متہم گردانے یا اسے نظر بند کرے

علاوہ ازیں عدالتی مقدمہ کے بغیر کسی کے خلاف فیصلہ دینا بھی جائز نہیں اور اس طرح کورٹ کے ضابطہ کے مطابق کسی کو مجرم ٹھہرائے بغیر سزا دینا یا اسے مجرم گردانا بھی جائز نہیں۔[17]

صوبوں پر حکومتوں کے اقتدار کے اصول کے مطابق ان قوانین کے عملی نفاذ کا جائزہ لیا جائے تو فرانسیسی اعلان کا دوسری حکومتوں پر براہ راست کوئی قانونی اثر نہیں ہے البتہ وہ حکومتیں جنہوں نے ان کے اصول قبول کئے ہیں اور اس کے دستور کو قبول کرنے کی گارنٹی دی ہو، اور فرانسیسی اعلان کی مبادیات نے یورپی حکومتوں کے دستور مجریہ انیسویں اور اوائل بیسویں صدی کی بہت سی دفعات کی قیادت کی اس طرح چند یورپی حکومتوں مثلاً اٹلی اور جرمنی کے دستور بھی دوسری جنگ عظیم کے بعد جاری ہوئے اور ان کے جاری ہونے سے قبل انسانی حقوق یا ان حقوق پر مشتمل دساتیر کی تمہیدات کا اعلان ہو چکا تھا بلکہ ان دساتیر میں انسان کے جدید حقوق بھی نمایاں ہو چکے تھے اور وہ تھے۔

سیاسی اور شہری حقوق کے ساتھ ساتھ اقتصادی اور معاشرتی حقوق اور حقوق کے ضابطے مرتب کرتے وقت مثبت رجحان کی تاثیر اور حکومت کی ذمہ داری کو ملحوظ رکھا گیا چنانچہ ان دستاویزات نے فرد کے اس حق کی کفالت کی کہ وہ گورنمنٹ سے اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کا مطالبہ کر سکے۔[18]

حکومتوں کے انسانی حقوق کے اہتمام کے بعد بین الاقوامی انجمنیں وجود میں آئیں اور انہوں نے انسانی حقوق کا اعلان کیا اور یہاں سے انسانی حقوق کے اہتمام کا معاملہ علاقائی سطح سے منتقل ہو کر عالمی سطح پر منتقل ہو گیا اور شاید عالمی سطح پر انسانی حقوق کے مطالبے کی پذیرائی نے انسانی حقوق کے لیے انجمن اقوام متحدہ

کی بنیاد رکھی۔ المختصر دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے ہونے والی تباہی و بربادی کی بناء پر انسانی حقوق، اقوام متحدہ کے مقاصد میں شامل ہوگئے۔

چنانچہ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب 1945ء میں انجمن اقوام متحدہ قائم کرنے کا اعلان کیا گیا تو سب سے پہلا معاہدہ خصوصی طور پر انسان کے موضوع پر تھا اور مندرجہ ذیل عبارت میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے۔ [19]

[1] انجمن اقوام متحدہ کے منشور کا دیباچہ انسان کے بنیادی حقوق اور فرد کی قدر و قیمت، چھوٹی بڑی قوموں اور مردوں اور عورتوں کے مساوی حقوق کو تسلیم کرنے کی تاکید کرتا ہے،

چنانچہ اقوام متحدہ کے منشور میں مختلف مواقع پر ان حقوق کی طرف اشارہ موجود ہے اور وہ بھی اصل اسلوب اور صیغوں میں۔ مثلاً آرٹیکل (13) میں ہے کہ اقوام متحدہ کی مشترکہ ذمہ داریوں میں سے ہے کہ وہ بغیر کسی مذہبی، لسانی، جنسی، تمیز کے تمام لوگوں کے لیے بنیادی آزادیوں اور ان حقوق پر عمل درآمد کرانے کے لیے معاونت کرے اور اس سلسلے میں مردوں اور عورتوں کے درمیان تفریق نہ کرے۔

[2] اقوام متحدہ کے منشور کے آرٹیکل (55) میں درج ہے کہ اقوام متحدہ کے فرائض میں یہ بات شامل ہے کہ وہ مردوں اور عورتوں میں تفریق کیے بغیر اور بغیر کسی مذہبی، لسانی، جنسی تمیز کے تمام لوگوں کی بنیادی آزادیوں کے لیے کام کرے اور دنیا میں انسانی حقوق کے احترام کا پرچار کرے۔

[3] آرٹیکل (62) پر درج ہے کہ اکانومی اور سوشل کونسل کی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ وہ انسانی حقوق کے احترام اور بنیادی آزادیوں کے متعلق سفارشات پیش

کرے۔ اس طرح اقوام متحدہ کے منشور کے آرٹیکل (76) کی بارہویں فصل میں جو انٹرنیشنل سفارشات کے لیے مختص ہے، میں ہے کہ سفارشات کے نظام کے بنیادی مقاصد میں ہے کہ وہ مردوں اور عورتوں میں تفریق کئے بغیر اور کسی طرح کے مذہبی، لسانی اور قومی تمیز کے بغیر سب کو بنیادی آزادیاں فراہم کرے اورانسانی حقوق کا احترام کرنے کی حوصلہ افزائی کرے۔ چنانچہ انجمن اقوام متحدہ ان سفارشات وغیرہ کی روشنی میں اس قابل ہوئی کہ وہ انسانی حقوق کے سلسلے میں مزید موثر سرگرمی کا تجربہ کرے، خاص طور پر ادارے کے عالمی مزاج کی نشوونما اور پذیرائی کے سلسلے میں ، مزید برآں وہ معاہدے کی دسویں دفعہ کے احکام کو نافذ کرنے والی جنرل اسمبلی کی نگرانی کے وسیع اختیارات کو مدنظر رکھے، اس بات نے انسان کی خدمت سے متعلق ان سفارشات سے ترقی پسندانہ استفادہ کرنے پر مدد فراہم کی انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے متعلق اقوام متحدہ کے چارٹر کا بنیادی سبب، جنگ عظیم دوم کے بعد کی وہ سفاکی اور بربریت ہے جو انسانی حقوق کے گرد منڈلا رہی تھی۔

[4] انجمن اقوام متحدہ نے انسانی حقوق کے بارے میں چارٹر کی دفعات کے نفاذ کو یقینی بنانے کے لیے، اقوام متحدہ کے سیکرٹریٹ میں انسانی حقوق کا ادارہ قائم کیا اور اپنے سینئر افسر کو اس کا سربراہ مقرر کیا، اس کے ساتھ ساتھ اقتصادی اور معاشرتی کونسل نے انسانی حقوق کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی جو بتیس ارکان پر مشتمل تھی جن کا انتخاب تین سال کے لیے ہوگا تاکہ وہ مطالعہ اور تحقیق کی روشنی میں سفارشات تیار کرے اور مختلف ملکوں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے سلسلے میں اقوام متحدہ کے سیکرٹریٹ میں موصول ہونے والی شکایات کے متعلق

سمجھوتوں کا بل تیار کرے۔ تاہم اقوام متحدہ کے معاہدے نے اس بات کی تفصیل بیان نہیں کی کہ وہ کون کون سے حقوق ہیں جن کے احترام کی اقوام متحدہ نے وصیت کی ہے بلکہ اس نے یہ بات اقوام متحدہ کی ایڈہاک برانچ کے سپرد کر دی ہے اور وہ ہے معاشرتی اور اقتصادی کونسل......

جیسا کہ ہم گذشتہ پوائنٹس میں ذکر کر چکے ہیں کہ انسانی حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کی کوششیں بریک نہیں ہوئیں، لیکن جب اقتصادی اور معاشرتی کونسل نے اپنی سپیشل کمیٹی کے تیار کردہ انسانی حقوق کے عالمی اعلان کا مسودہ تیار کیا اور پھر اسے جنرل اسمبلی کے تیسرے اجلاس میں پیش کیا اور اس پر دسمبر 1948ء میں اتفاق رائے حاصل کر کے اسے نشر کیا تو اسے بہت بڑا اقدام تصور کیا۔ چنانچہ انسانی حقوق کے معاملے میں یہ اعلان، تہذیب جدید کی اوج کمال سمجھا گیا، علاوہ ازیں اسے انسانی تاریخ میں اہم تاریخی کارنامہ قرار دیا گیا اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 1950ء میں تمام ممالک کو دعوت دی کہ وہ ہر سال دسمبر کی دسویں تاریخ کو 'ہیومن رائٹس ڈے' کے طور پر متعین کریں، تاکہ ان حقوق کی اہمیت سے لوگوں کو آگاہ کیا جا سکے۔ ہم ان شاء اللہ تفصیل کے ساتھ انسانی حقوق کے عالمی اعلان پر گفتگو کریں گے اور کسی انصاف پسند کے لیے اس بات میں شک کی گنجائش نہیں چھوڑیں گے کہ بیسویں صدی میں جن حقوق کے چارٹر کا اعلان کیا گیا ہے وہ تاخیری اعلان ہے اور اسلام چودہ صدیاں قبل اس سے بہتر چارٹر کا اعلان کر چکا ہے۔ تاریخ کے اعتبار سے انسانی حقوق کے متعلق یہ مختصر تاریخی شذرہ ہے، ہم نے اسے اسلام میں انسانی حقوق اور سیکولر چارٹر پر گفتگو سے قبل دیباچہ کے طور پر پیش کیا ہے۔

دوسری فصل

اِسلام میں انسانی حقوق

اول: اسلام میں انسان کی حیثیت
دوم: انسانیت کے متعلق اسلام کے پیغام کی عمومی خصوصیات
سوم: اسلام میں انسانی حقوق کے سرچشمے:

پہلا سرچشمہ: قرآن کریم

دوسرا سرچشمہ: سنت مطہرہ

تیسرا سرچشمہ: اجماع

چوتھا سرچشمہ: اجتہاد

چہارم: اسلام میں انسانی حقوق کا مضمون اور اس کی نوعیت

اسلام میں حقوق کی حیثیت

- اسلامی مفہوم کے ساتھ انسانی حقوق کا اقرار، صالح معاشرہ کے قیام کا پیش خیمہ ہے۔
- کتاب وسنت کی روشنی میں انسانی حقوق
- اسلام میں انسانی حقوق کے امتیازات اور خصوصیات

[1] اسلام میں انسانی حقوق کی کونپلیں، اسلامی عقیدے سے پھوٹتی ہیں

[2] اسلام میں انسانی حقوق، خدائی تحفہ ہیں۔

[3] اسلام میں انسانی حقوق، حقوق کی تمام انواع پر مشتمل ہیں۔

[4] اسلام میں انسانی حقوق، مستقل ہیں، جو منسوخی، تبدیلی، معطلی کو قبول نہیں کرتے۔

[4] اسلام میں انسانی حقوق، مطلق نہیں بلکہ مقید ہیں یعنی ان کا شریعت اسلامی کے مقاصد کے ساتھ تصادم نہیں ہے اور ان کے مستقل ضابطے ہیں۔ اور ان کی مثالیں یہ ہیں:

- اسلام میں تعبیر اور رائے کی آزادی کے ضابطے۔
- اسلام میں دینی آزادی کے ضابطے
- اسلام میں ملکیت کی حدیں اور ضابطے

اسلام میں انسانی حقوق

اسلام میں انسان کا مقام نہایت بلند ہے اور اس مقام کی بنیاد اس اعتقاد پر ہے کہ انسان خواہ کسی بھی نسل یا قوم یا رنگ یا نسب کا ہو اور اس کی معاشرتی حیثیت خواہ کچھ بھی ہو، وہ قابل احترام مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عزت بخشی ہے اور اسے ساری مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔ ہم ان شاء اللہ اس فصل میں اسلام میں انسان کی قدر و منزلت اور اسلام کے پیغام کی جنرل خصوصیات اور اسلام میں انسانی حقوق کے سرچشموں پر گفتگو کریں گے اور اسلام میں انسانی حقوق کی نوعیت اور مضمون پر سیر حاصل بحث کریں گے اور اس فصل کو ان ہم یقین دہانیوں کے اعادے پر ختم کریں گے جنہیں اسلام کے انسانی حقوق کی حمایت کے لیے متعین کیا ہے۔

اول.. ...اسلام میں انسان کی حیثیت

انسان کے متعلق، اسلام کا بنیادی نکتہ ہی اسلام کا مرکزی محور ہے اور اس سے ہی انسان کے حقوق اور اس پر عائد ہونے والے واجبات آشکارا ہوتے ہیں اور وہ انتہائی بے تکلفی و سادگی اور وضاحت کے ساتھ اس وقت سے قائم و ثابت ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس زمین پر خلافت کے نظریئے پر پیدا کیا ہے۔

﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾ [بقرہ: 30]

''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں (خلیفہ) بنانے والا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ، اس انسان کے مرتبہ و مقام کے اظہار کے لیے مزید اہتمام اس طرح کرتا ہے کہ وہ فرشتوں کو اسے سجدہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ﴾ [طه : 116]

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (نہ کیا)۔''

اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو اس زمین میں اپنا خلیفہ بنایا تاکہ وہ اس میں اس کا ذمہ دار نائب بنے اور وہ اس زمین میں رحمٰن کے ان بندوں میں سے ہو جائے جن کا وصف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں بیان کیا ہے:

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَّإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ﴾ [الفرقان : 63]

''اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں۔''

(اور اس لیے بھی) کہ وہ اس کی پاکیزہ چیزیں کھائے اور اللہ کی شریعت کی حدود میں رہ کر منہ، جنس، ملکیت کی ضروریات میں اس کی زینت سے لطف اندوز ہو، اس بات سے اللہ کے ہاں انسان کی بزرگی ثابت ہوگئی کہ اس نے زمین پر صرف انسان کو ہی خلیفہ بنایا اور یہ اس کی برتری کی گویا پہلی بنیاد ہے اور اسے کان، آنکھ، عقل اور علم کے لوازمات عطا کرنا اس کی بزرگی کی گویا دوسری بنیاد ہے اور اللہ کی شریعت کے مطابق ذمہ لگائے گئے عمل کی بجا آوری میں ارادے کی آزادی کی خصوصیت، اس کی بزرگی کی گویا تیسری بنیاد ہے۔ اسلامی شریعت میں زمین پر انسان کی خلافت کی اہم خصوصیات کی تلخیص درج ذیل ہے:

- یہ خلافت جو زمین میں انسان کو عطا کی گئی ہے یہ خلافت عامہ ہے جو ہر انسان کے لیے ہے۔
- اس اعتبار سے یہ خلافت نہ تو کسی طبقے کے لیے ہے اور نہ ہی حکمرانوں کے کسی معین گروہ کے لیے ہے۔
- اور اس اعتبار سے یہ خلافت ہر لحاظ سے اس تھیا کریسی (ملاازم) سے کوسوں دور ہے جس کی اسلام میں سرے سے کوئی گنجائش نہیں۔
- آخری بات یہ ہے کہ یہ خلافت، اللہ تعالیٰ کی شریعت کے عام اُصولوں اور اس کے تفصیلی احکام سے مقید ہے۔

اور اس طرح کی خصوصیات کی وجہ سے انسان کو زمین پر حاصل ہونے والی گراں قدر خلافت، اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ انسان درج ذیل خصوصیات

سے ممتاز ہو۔

[1] انسان کی تخلیق سے متعلق خصوصیات

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ﴿ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾ [التين : 5] اور ﴿فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ﴾ [التغابن : 3] کا مرقع بنایا اور اسے ہر اس چیز سے پوری طرح مالا مال کر دیا ہے جس کی اسے ضرورت رہتی ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ﴾ [جاثیہ : 13]

''اور اس نے تمہارے لیے اپنی طرف سے مسخر کر دیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔''

[2] اہم خصوصیت جو انسان کے کمال کے ساتھ تعلق رکھتی ہے وہ یہ کہ اللہ نے انسان کو ہر طرح کے انحراف سے پاک پیدا فرمایا ہے اور اسلام میں اس خصوصیت کو، فطرت پر تخلیق سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور انسان میں جو عارضی انحراف پایا جاتا ہے وہ اللہ کی شریعت کی خلاف ورزی کی وجہ سے پایا جاتا ہے اور وہ بھی انسان کی خاص ہوس کے اثر اور اس کی عام بُری معاشرتی تربیت کی وجہ سے، کیونکہ اس کی شامت کی وجہ سے انسان سزا کا مستحق بن جاتا ہے۔

[3] باقی رہیں وہ خصوصیات جو اس کے کردار اور اس کے تصرفات کے متعلق ہیں، مثلاً امن وسلامتی کو یقینی بنانے کے لیے عدل و مساوات کے قیام اور تمام لوگوں کے لیے خیر اور مصلحت کی تلاش، تو اس سلسلے میں قرآن حکیم اپنی بے شمار آیات

میں اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ اس کے احکام کو مضبوطی سے تھام لیا جائے چنانچہ جب بھی کوئی انسان اس زمین پر اپنی خلافت میں خیانت کا ارتکاب کرتا ہے یا اس میں اللہ تعالیٰ کی شریعت سے نکلتا ہے تو قرآن اسے اس کے نتیجے سے ڈراتا ہے۔

یہ ہے انسان کے متعلق اسلام کا نظریہ اور جب ہم اسلام سے پہلے کے قوانین کی طرف رجوع کریں گے تو اس نظریہ کی عظمت دو چند ہو جائے گی کہ دنیا کے مختلف خطوں میں انسان کے بارے میں یہ رائے قائم کی جاتی تھی کہ اس انسان کے انواع و اقسام اور درجات و مراتب اور طبقات ہیں، چنانچہ برہمن ہندوؤں کی مقدس کتابیں، لوگوں کے درمیان نسلی اور ابتدائی پیدائش کے اعتبار سے درجاتِ فضیلت مقرر کرتی ہیں اور بیان کرتی ہیں کہ لوگوں کے چار طبقے ہیں۔ ان میں سے اعلیٰ طبقہ برہمن ہیں اور ادنیٰ طبقہ شودر ہیں اور اس فاسد عقیدے کی رُو سے آخری طبقہ نجس انسانوں کا ہے اور وہ فقط دوسرے طبقات کی غلامی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اور قدیم یونانی اپنے متعلق اعتقاد رکھتے تھے کہ ہم تمام لوگوں سے برتر ہیں اور دیگر لوگ آپس میں برابر ہیں کیونکہ ان میں انسانی صفات یکجا نہیں ہیں اور ان کے ذمہ علاوہ ازیں اور کچھ نہیں کہ وہ دوسروں کی خدمت کریں اور ان کی مصلحت کے لیے ان کے سامنے جھکے رہیں۔ رومیوں کے ہاں بھی معاشرتی زندگی میں ایک طبقہ کے لیے نسبتاً امتیازی حقوق تھے۔ چنانچہ ان میں ایک طبقہ سرداروں کا ہے اور ان کے لیے انسانیت کے تمام حقوق ہیں اور دوسرا طبقہ خدمت گزاروں کا ہے جس کے ذمہ دوسرے طبقہ کی خدمت کرنا ہے۔

اور بالکل یہی نظریہ عبرانیوں کا تھا وہ سمجھتے تھے کہ کنعانی لوگ ان کی خدمت کے علاوہ کسی کام کے نہیں ہیں اور جاہلیت میں عربوں کی زندگی بھی انسان کی نگاہ میں تمیز سے خالی نہ تھی۔ جب اسلام آیا تو یہ صورت حال بدل گئی اور اسلام نے انسان کو زمین میں خلیفہ بنایا اور اسے عزت عطا کی۔

دوم: اسلام کے انسانی پیغام کی عام خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو چودہ صدیوں سے زائد عرصہ سے تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ﴾ [سباء : 28]

''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام لوگوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا۔''

جبکہ گذشتہ انبیاء مخصوص اقوام کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ علاوہ ازیں اسلام کا پیغام گذشتہ پیغامات سے باہر نہیں نکلا بلکہ اس نے ان کی (الوہیتی وحدت سے مراد صرف اللہ کی بندگی کرنا ہے) الوہیتی وحدت کو برقرار رکھا ہے۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ [شوریٰ : 13]

''اس نے مشروع قرار دیا تمہارے لیے وہی دین جس کے متعلق وصیت

کی اس نے نوح کو اور جو وحی کی ہے ہم تیری طرف اور جس کے متعلق وصیت کی ہم نے ابراہیم، اور موسیٰ اور عیسیٰ کو، کہ دین کو قایم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

علاوہ ازیں اسلام نے تمام رسولوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾

[بقرہ : 136]

"تم کہو کہ ہم ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور اس پر جو اتارا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا طرف ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اسباط پر اور جو دیئے گئے موسیٰ اور عیسیٰ اور جو دیئے گئے سب نبی اپنے رب کی طرف سے، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔"

اسلام کا پیغام، تمام انسانیت کی طرف توجہ دے رہا ہے اس کے سامنے عربی اور عجمی، گورے اور کالے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے وہ جگہ اور رقابت کی قیود کو خاطر میں نہیں لاتا اور نہ ہی وہ جغرافیائی حدبندیوں کو اہمیت دیتا ہے اور نہ ہی نسلی حدبندیاں اس کے سامنے رکاوٹ بنتی ہیں اور نہ ہی اس کے سامنے سیادت وقیادت کے ایسے نظریات حائل ہو سکتے ہیں جو دیگر حکومتوں نے دنیا کے تمام گوشوں میں تھام رکھے ہیں۔

چنانچہ مسلمان، اس دنیا کے خطے میں جہاں کہیں بستے ہوں اور خواہ ان کے رنگ ونسل جدا جدا ہی کیوں نہ ہو اور ان کے ملک دور دور ہی کیوں نہ ہوں، وہ دین میں بھائی بھائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ [حجرات : 15]

''بے شک مومن لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

اور حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

[المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه]

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر تو ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔''

اور اسی طرح فرمایا:

[مَثَلُ الْمُؤمِنِينَ فِي تَوَآدِهِم وَ تَراحُمِهِم كَمَثَلِ الجَسَدِ الوَاحِدِ إِذَا اشتَكىٰ مِنهُ عُضوٌ تَدَاعىٰ لَهٗ سَائِرُ الجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰی]

''کہ مسلمانوں کی آپس میں دوستی اور رحم دلی کی مثال ایک جسم کی طرح کہ جب اس کے ایک عضو کو تکلیف ہو جائے تو پورا جسم بیداری اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

اسلام تمام لوگوں کو ایک امت سمجھتا ہے اور ان سب کے درمیان برابری کرتا ہے کیونکہ اس کا پیغام ان سب کی طرف متوجہ ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴾ [انبیاء : 92]

''بے شک تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ﴾ [حجرات : 13]

''اے لوگو ہم نے تمہیں ایک نر اور مادہ سے پیدا کیا ہے اور تمہاری ذاتیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کی پہچان حاصل کر سکو، بے شک تم میں سے اللہ کے ہاں عزت دار وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔''

اور زمین ساری کی ساری اللہ رب العزت کی ہے۔ چنانچہ اس نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ [اعراف : 128]

''کہ زمین، اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔''

اس بناء پر اسلام اس لیے آیا کہ وہ تمام گذشتہ آسمانی پیغامات سے بالاتر ہو کر تمام لوگوں کو اسلام میں ڈھال دے اور ماضی کو حاضر سے مربوط کر کے تمام لوگوں کو ایک امت بنا دے اور ساری زمین کو ایک ریاست بنا دے۔ یہ ہے حقیقی اسلامی مساوات جو اخوت و یگانگت اور ایثار و قربانی سے سپورٹ (Supporte)

کی گئی ہے اور مغربی فکر، اس کے قیام کی بلا تائید کوشش کر رہا ہے، اور یہ ہے عالمگیریت جو انسانی حقوق کے سلسلے میں عالمی اعلان کو بیسویں صدی میں سوجھائی دی اور وہ اس سلسلے میں آٹے میں نمک کے بمصداق کامیاب ہو سکا جبکہ اسلام اسے ساتویں صدی عیسوی میں نافذ کر چکا ہے اور پھر اسلام کا پیغام ہر لحاظ سے مکمل صورت میں تمام آسمانی پیغامات کا اختتام ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [احزاب : 40]

''کہ محمد، تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ [آل عمرن : 190]

''کہ اللہ کے نزدیک اسلام ہی پسندیدہ دین ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ [آل عمران : 85]

''کہ جو کوئی، اسلام کے علاوہ کسی دین کو تلاش کرے گا اس کا دین قبول نہیں کیا جائے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ

لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [مائدہ : 3]

''کہ آج کے دن، میں نے تمارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔''

اور حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا:

[مَثَلِي وَ مَثَلُ الْأَنبِيَاءِ كَمَثَلِ رجُلٍ بَنىٰ بيتا فأَحْسَنَهُ وَ جَمَّلَهُ إِلَّا مَوضِعُ لبَنة واحدة فَجَعَلَ النَاسُ يَطُوفُونَ وَ يَتَعَجَّبُونَ و يُعْجِبُونَ لَهُ وَ يَقُولُونَ هَلَّا وَضُعِتَ هَذِهِ اللَّبَنَةُ فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ] [احمد۔ترمذی]

''میری اور دیگر انبیاء کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ کیا البتہ ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ چنانچہ لوگ اس مکان کے اردگرد گھومنے لگے اور اس کی خوبصورتی پر داد دینے لگے اور ایک اینٹ کی خالی جگہ کو دیکھ کر کہنے لگے: یہ اینٹ یہاں کیوں نہ رکھی گئی۔ سو میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔''

اور آپ نے یہ بھی فرمایا:

[إن الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدى ولا نبى] [ندوات علمیہ]

''بلاشبہ رسالت اور نبوت ختم ہوگئی ہیں لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔''

ان آیات کریمہ اور احادیث شریفہ سے اسلام کا پیغام تکمیل کے بعد اختتام کو پہنچا، اس لیے حضرت محمد ﷺ کی رسالت کے بعد کوئی رسالت نہیں اور نہ ہی

حضرت محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی ہے۔ چنانچہ دین اسلام مکمل ہو چکا ہے اور اللہ کے بندوں پر اس کی نعمت، عقیدے اور شریعت کی صورت میں مکمل ہوگئی، اس کی بنیاد ایمان ہے۔ یہ شریعت، عقیدے سے مضبوط کی گئی ہے اور اس کی بنیاد عمل صالح ہے اور یہ صاف و شفاف اسلامی شریعت، ہمہ جہت اور ہمہ گیر تہذیبی شاہراہ کے طور پر ہر جگہ اور ہر دور کے لیے موزوں ہے۔

اسلام میں انسانی حقوق کے سرچشمے

اسلام میں انسانی حقوق کے سرچشمے ہی اسلامی شریعت کے چشمے ہیں اور یہ سر چشمے چار بنیادی چشموں سے مرکب ہیں (اور وہ یہ ہیں)

❁ پہلا سر چشمہ: اسلامی شریعت کا پہلا سر چشمہ، جس میں انسانی حقوق بھی داخل ہیں قرآن کریم ہے۔ چنانچہ قرآن کریم وہ پہلا مصدر ہے جس سے باقی چشمے پھوٹتے ہیں اور قرآن کریم مندرجہ ذیل امور سرانجام دیتا ہے۔

[1] انسانی زندگی کے تمام معاملات میں غیر معقول رسومات کا استیصال۔

[2] معاشرے کی مکمل اصلاح، خواہ اس کا تعلق اس کے دینی عقائد سے ہو یا معاشرتی تعلقات سے ہو، اس میں دینی واجبات اور انسانی اخلاقیات بھی داخل ہیں اور قانونی احکام بھی اور ان مقاصد میں ایک ہی روح متحکم ہوتی ہے اور مندرجہ ذیل اُصولوں میں یہی بلند فکر جمع ہوگئی ہے۔

[1] حقوق اور واجبات یا حسب ونسب میں تمیز کے بغیر اعلیٰ انسانی زندگی بسر کرنے کی دعوت۔

[2] بھلائی کی طرف دعوت اور ہر طرح کی بُرائی کا قلع قمع کرنا۔

[3] جس کام کو اسلامی شریعت نے معروف قرار دے کر اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اس کا حکم دینا۔

[4] جس کام کو اسلامی شریعت نے منکر قرار دے کر اس سے رُکنے کا حکم دیا ہے اس سے روکنا۔

[5] لوگوں اور قوموں کے درمیان امن وامان اور سلامتی کی دعوت دینا۔ جب تک وہ آپ سے دین کے معاملے میں محاذ آرائی نہ کریں یا آپ کو آپ کی سرزمین سے جلاوطن نہ کریں اور قرآن نے اس دعوت میں سخت تاکید کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾

''کہ سارے کے سارے امن وسلامتی میں داخل ہو جاؤ۔''

اور اسلام میں ملاقات کے وقت خیر مقدمی کلمات (السلام علیکم) بھی امن و سلامتی کا اعلان ہیں اور نماز سے فارغ ہوتے وقت دائیں اور بائیں طرف منہ کر کے السلام علیکم ورحمتہ اللہ، السلام علیکم ورحمتہ اللہ کہنا بھی امن وسلامتی کا اعلان ہے اور قرآن کریم، اسلامی شریعت کا اولین سرچشمہ ہونے کے اعتبار سے، جس میں انسانی حقوق بھی داخل ہیں، ایسے کلی اَحکام اور جنرل اصول لایا ہے جو کسی طرح کی ترمیم اور تبدیل کو قبول نہیں کرتے اور فیصلے کے وقت ان کو مدنظر رکھنا اور رائے دیتے وقت ان پر اعتماد کرنا واجب ہے خواہ وہ رائے انفرادی ہو یا اجماعی۔

ان کلی احکام اور جنرل اصولوں میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

[1] اسلامی شریعت کے حاملین کے درمیان بزرگی و برتری میں تفریق نہ کرنا۔

[2] انسان کے بنیادی حقوق کی حفاظت کرنا مثلاً شخصی آزادی، اس کے گھر کا تحفظ

اور اس کے مال و جان اور آبرو کی حفاظت اور کام کاج میں ہر انسان کو اس کا حق ادا کرنا اور اس کے ثمرات میں اس کی ملکیت تسلیم کرنا۔ علاوہ ازیں معاشرے میں اس کی آبرومندانہ زندگی کی ضمانت کا حق تسلیم کرنا۔

[3] دین کے بارے میں اس پر جبر نہ کرنا۔

[4] فیصلے میں عدل و انصاف سے کام لینا، اگرچہ ملزم آپ کا بدترین دشمن یا آپ کا عزیز ترین انسان کیوں نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان قرآن کو اپنا اصلی دستور سمجھتے ہیں اور اسے ایسا مقدس دستور قرار دیتے ہیں جس میں تبدیلی اور التوا جائز نہیں اور یہی دستور سیاسی حکمران کے جبر و تسلط کو چیلنج کرتا ہے اور اس کے کسی طرح کے ایسے تصرف کو نافذ نہیں ہونے دیتا جو ان کلی احکام اور جنرل اصولوں کے متصادم ہو۔ علاوہ ازیں یہ دستور عدالتی جبر کو بھی چیلنج کرتا ہے اور اسے قرآن کے احکام سے نکلنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس طرح یہ دستور حقوق کے بیرسٹرز کی، ان کے اجتہادات کے معاملے میں راہ نمائی کرتا ہے، اس بنیاد پر کہ وہ قرآن کریم کے احکام یا اس کے پائیدار اصول و قواعد سے باہر نہ نکلیں۔

❁ دوسرا سرچشمہ: اسلامی شریعت کے سرچشموں میں سے دوسرا سرچشمہ، جس میں انسانی حقوق بھی داخل ہیں، سنت نبویہ شریفہ ہے اور جیسا کہ ہر ایک کے علم میں ہے کہ سنت نبویہ سے مراد وہ تشریعی اقوال، افعال اور احکام ہیں جو حضرت رسول کریم ﷺ سے قرآن کی تشریح اور تفصیل کے سلسلے میں منقول ہیں (دیکھئے ندوات علمیہ) اور محدثین کرام کے نزدیک سنت سے مراد وہ اقوال، افعال اور تقریرات ہیں جو آنحضرت ﷺ سے صادر ہوئے یا وہ پیدائشی یا اختیاری اوصاف

ہیں جو آپ کی ذات میں موجود تھے خواہ وہ بعثت سے پہلے کے ہیں یا بعد کے۔
(دیکھئے اصول مذہب الامام احمد بن حنبل طبع ریاض)
اور اصولیین کے نزدیک اس سے مراد وہ غیر طبعی اقوال و افعال اور تقریرات ہیں جو حضرت رسول مقبول ﷺ سے صادر ہوئے (حوالہ مذکور)

مسلمان (بحمداللہ) قرآن کریم کی نصوص پر عمل کرنے کے لیے سنت کے احکام پر پوری طرح عمل پیرا ہیں کیونکہ وہ اس بات کے پابند کردیئے گئے ہیں کہ وہ حضرت رسول مقبول ﷺ کے احکام پر عمل کریں اور جس کام سے آپ نے روکا ہے اس سے رکیں۔

مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر سنت نبویہ، اسلامی شریعت کے سرچشموں میں سے دوسرا سرچشمہ ہے اور جب یہ سنت، حضرت رسول مقبول ﷺ سے ثابت ہوجائے تو حجت شرعیہ بن جاتی ہے۔ اوراس کی حجیت پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں:

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [نساء : 80]

''کہ جس نے رسول کی اطاعت کی سو اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

اور یہ بھی فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [نساء : 59]

''کہ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحب امر کی بھی۔''

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ

يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ﴾ [احزاب : 36]

''اور کسی مومن کے لیے لائق نہیں اور نہ کسی مومن عورت کے لیے لائق ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ان کے معاملے میں کوئی فیصلہ کر دیں تو وہ اس معاملے میں اپنی مرضی کریں۔''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴾ [اعراف : 158]

''لہٰذا اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو امّی نبی ہے، جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ﴾ [مائدہ : 67]

''کہ اے رسول پہنچا دے اس چیز کو جو اتاری گئی ہے تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو نے اس کی رسالت کی تبلیغ کا حق ادا نہ کیا۔''

اور یہ بھی فرمایا:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ﴾

[نساء : 65]

''تیرے رب کی قسم وہ ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ تجھے آپس

کے جھگڑوں میں حاکم نہ مان لیں۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [نور : 63]

"پس ڈرنا چاہیے ان لوگوں کو جو اس کے حکم سے سرتابی کرتے ہیں کہ مبادا انہیں خرابی یا دردناک عذاب گھیر لے۔"

اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ [حشر : 7]

"اور رسول تمہیں جس چیز کا حکم دیں اسے تھام لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رُک جاؤ۔"

حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا:

[يُوشَكُ أن يَقْعُدَ الرَّجُلُ مُتَّكِئًا عَلٰى أرِيكَتِهٖ يُحَدِّثُ بِحَدِيْثٍ مِنْ حَدِيْثِي فَيَقُولُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ فَمَا وَجَدنَا فِيهِ مِن حَلَالٍ إسْتَحَلَلْنَاهُ وَمَا وَجَدنَا فِيهِ مِن حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ وَمَا حَرَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ مِثْلَ مَا حَرَّمَهُ اللّٰه] [مسند احمد، ابوداؤد، مستدرک حاکم]

"قریب ہے کہ کوئی آدمی اپنے تکیے پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہو اور اس کے سامنے میری حدیثوں میں سے کوئی حدیث بیان ہو تو وہ کہے، ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے جو چیز ہم اس میں حلال پائیں گے اسے حلال سمجھیں گے اور جو چیز اس میں حرام پائیں گے اسے حرام سمجھیں

گے۔ حالانکہ جو چیز اللہ کے رسول نے حرام کی ہے وہ اس طرح ہی ہے جس طرح اللہ نے اسے حرام کیا ہے۔"

سنت، ساری کی ساری قرآن کے تابع ہے اور اس کی تشریح ہے اور وہ:

- یا تو قرآن کے قواعد وضوابط کے تحت اجتہاد کی بنا پر کسی مسئلے کے استخراج سے متعلق ہوگی۔
- یا وہ اس کی کلی کی شرح اور اس کے اجمال کی تفصیل ہوگی۔
- یا وہ قرآن کریم کے کلی قواعد اور جزئی احکام سے ماخوذ عام قاعدے کی صورت ہوگی۔

بایں طور گذشتہ بحث سے ہمارے سامنے واضح ہوگیا کہ سنت نبویہ قرآن کریم کی نص سے واجب الاتباع شریعت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو اپنے رسول کی اطاعت سے وابستہ کردیا ہے اور اس طرح اپنی اور اپنے رسول کی مخالفت سے روک دیا ہے۔

- تیسرا سرچشمہ...... اجماع: یہ اسلامی شریعت کے سرچشموں میں سے تیسرا سرچشمہ ہے اور انسانی حقوق بھی اس میں داخل ہیں۔ اور اجماع کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ وہ اجتماعی نظریہ جو ہر زمانے کے علمائے شریعت کی طرف سے منقول ہو اور وہ قرآن وسنت کے بیان کردہ عام اصول وضوابط اور قواعد کی راہنمائی کے تحت ہو اور ان دونوں کی تفصیلی مطابقت کی روشنی میں ہو، چنانچہ جب کوئی معاملہ درپیش آجائے اور قرآن وسنت میں اس کے متعلق کوئی نص نہ ہو تو اجماع امت کو تسلیم کیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن وسنت نے اجماع کو اصول شریعت کے تیسرے اصل کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں قرآن وسنت نے

سَبِیْلُ الْمُؤمِنِین کی راہ کے علاوہ کسی اور راہ پر چلنے سے ڈرایا ہے اور اس لیے بھی کہ امت محمدیہ، ضلالت و گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔ بعض علمائے کرام نے بیان کیا ہے کہ اجماع کے چار راستے ہیں اور وہ یہ ہیں:

[1] اتفاق رائے

[2] متفقہ تعامل

[3] بعض علمائے شریعت کے ہاں ناقدین کا اس رائے پر مطلع ہونے کے باوجود خاموشی اختیار کرنا۔

[4] بعض علمائے شریعت کے نزدیک وہ تعامل بھی اجماع کا ذریعہ ہے جو دیگر ناقدین کے اس پر مطلع ہونے کے باوجود، اعتراض سے محفوظ رہا ہو۔

❁ چوتھا سر چشمہ......اجتہاد: اسلامی شریعت کے سر چشموں میں سے چوتھا سر چشمہ اجتہاد ہے اور اس میں انسانی حقوق بھی داخل ہیں۔

اور اجتہاد سے مراد وہ انفرادی رائے ہے جو ہر دور اور ہر جگہ کے علمائے شریعت کی طرف سے صادر کی گئی ہو اور وہ قرآن وسنت اور اجماع کے عام قواعد وضوابط کی روشنی میں ہو اور اس میں مذکورہ بالا مآخذوں کی تفصیل اور تطبیق ہو، دوسرے الفاظ میں اجتہاد سے مراد ایسی رائے ہے جس پر اجماع نہ ہو اور جب اس پر اتفاق رائے ہوجائے تو وہ اجماع بن جائے گا۔ چنانچہ جب کوئی مسئلہ در پیش ہوجائے اور اس پر قرآن وسنت اور اجماع کے مجموعی احکام میں سے کوئی نص نہ ہو تو قرآن وسنت نے اجتہاد کا اعتراف کیا ہے اور اس کی حیثیت اسلامی شریعت کے سر چشموں میں سے چوتھے سر چشمے کی ہے اور اس مصدر کا نام رائے، عقل، قیاس کے ساتھ رکھا جاتا ہے اور ان سب سے مراد ایک ہی ہے اور اس

سرچشمے کے متعدد نام ان وسائل پر دلالت کرتے ہیں جنہیں بروئے کار لا کر اس مسئلہ پر حکم تک پہنچایا جا سکتا ہے جن کے بارے میں نص موجود نہ ہو۔

چنانچہ جس مسئلہ میں نہ تو قرآن کی نص ہو اور نہ سنت کی راہنمائی ہو اور نہ ہی اجماع کی دلیل ہو اس میں اجتہاد سے مراد محقق کا نصوص قرآن کی مفاہیم میں گھس کر مبہمات اور نظائر کو کھنگالنا ہے اور پھر ان میں غور و فکر کر کے مسئلے کو اس پر قیاس کرنا ہے اور اس سلسلے میں اس امر پر اعتماد کرنا ہے کہ محققین کے دلوں میں اسلامی شریعت کی روح، یہ بات ثابت کرتی ہے کہ:

[1] شریعت کی غرض و غایت مصلحت ہے۔

[2] اور جہاں مصلحت پائی جائے گی وہاں ہی اللہ کی شریعت ہے۔

[3] اور جو عمل عدالت سے نکل کر ظلم کی طرف یا رحمت سے سنگدلی کی طرف، اور مصلحت سے مفسدہ کی طرف اور حکمت سے بے ہودگی کی طرف نکل جائے وہ

• شریعت میں سے نہیں ہے۔

بایں طریق اسلامی شریعت اور اس کے احکام کا چوتھا سرچشمہ جس میں انسانی حقوق بھی داخل ہیں، انفرادی رائے میں اجتہاد کہلاتا ہے جو دائمی طور پر ثابت شدہ اصل کے ساتھ منسلک رہتا ہے اور وہ ہر دور اور ہر جگہ میں جدید مسائل کے حل کے لیے قرآنی نصوص اور سنت نبوی اور اجماعی احکام کی روشنی میں احکام شریعت کو غذا فراہم کرتا ہے۔

عام طور پر اجتہاد دو حالتوں میں کرنا پڑتا ہے۔

[1] بعض جدید قانونی مسائل کے متعلق بسا اوقات نصوص شرعیہ کے ابہام کی حالت میں، اور اس کا نام 'اجتہاد تفسیری' رکھا جاتا ہے اور بین الاقوامی قوانین میں

یہ فقط نصوص کی تفسیر کے نام سے موجود ہے جبکہ اسلام میں اس کے علمی قواعد و ضوابط موجود ہیں اور بین الاقوامی قوانین میں اس کا کوئی قاعدہ کلیہ موجود نہیں۔

[2] دیگر قانونی معاملات کے متعلق، بسا اوقات ان نصوص کی خاموشی کی حالت میں۔

اس حالت میں ہر فقیہ اور قاضی اپنے اس اختیار کو بروئے کار لاتا ہے جو جدید معاملات پر فیصلہ دینے کے لیے نصوص کے متبادل کے طور پر اسے حاصل ہے اور بین الاقوامی قوانین میں اجتہاد کی اس نوع پر کوئی نظر نہیں رکھی گئی اور اجتہاد کی یہ نوع بھی تفسیری اجتہاد کے قواعد کے برعکس مستقل منطقی علمی قواعد کے سامنے سرنگوں ہے۔

اس انفرادی اجتہاد نے ابہام دور کرنے کی غرض سے مذکورہ بالا دونوں انواع کے ذریعے نصوص کے بہت سے تفسیری حالات میں علمی اختلاف پیدا کر دیا اور اس طرح ایسے مسائل جدیدہ جن کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے، پر حکم لگانے کے لیے نصوص کے سکوت نے بھی بہت اور بڑا اختلاف پیدا کر دیا اور اس اجتہاد کی دونوں انواع اور ان کے متعلق رائے دینے میں علمی اختلاف سے قانونی مذاہب پیدا ہو گئے جو سارے کے سارے علمی اُصولوں اور فلسفی مسلمات پر قائم ہیں۔

رابعًا: اسلام میں انسانی حقوق کا مضمون اور اس کی نوعیت

تمہید......اسلام میں حقوق کی حیثیت

اسلام نے چودہ صدیوں سے زائد عرصہ قبل کھرے اور ہمہ گیر انسانی حقوق نافذ کیے اور ان کی حفاظت کے لیے بہت سی ضمانتوں کا حصار قائم کردیا اور اس نے اپنے معاشرے کو ایسے اصول اور مبادیات میں ڈھال دیا جو ان حقوق کو پنپنے اور مضبوط ہونے کا موقع فراہم کریں۔

اسلام ان آسمانی پیغامات کا اختتام ہے جو اللہ نے اپنے رسولوں کی طرف وحی فرمائے تاکہ وہ لوگوں کو اس عمل کی ہدایت و راہنمائی کریں جو ان کے لیے آبرومندانہ پاکیزہ زندگی کا ضامن ہو اور اس، حق بھلائی اور عدل وسلامتی کے ہاتھ میں اس کی قیادت ہو۔ اسی لئے مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے رب کے حکم: ﴿ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ پر عمل کرتے ہوئے تمام لوگوں کو دعوت اسلام پہنچائیں اور وہ اپنے اوپر انسانیت کا حق ادا کریں اور دنیا کو ہلاکت میں گرانے والی غلطیوں سے بچانے کے لئے مخلصانہ جدوجہد میں حصہ ڈالیں اور اقوام عالم کو طرح طرح

کی مشکلات کی دلدل سے نکالیں۔

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں بیان شدہ انسانی حقوق ابدی ہیں وہ تراش خراش اور ترمیم و تنسیخ اور التواء کو قبول نہیں کرتے وہ ایسے حقوق ہیں جنہیں اللہ نے مشروع کیا ہے، کسی بشر کو، خواہ وہ کوئی بھی ہو یہ حق نہیں کہ وہ انہیں معطل کرے یا انہیں پامال کرے اور نہ ہی ان کی ذاتی حفاظت ساقط ہوسکتی ہے، نہ تو کسی فرد کے دست بردار ہونے کے ارادے سے اور نہ ہی تنظیموں کی شکل میں موجود معاشرے کی مرضی سے۔ ان کا مزاج خواہ کیسا ہو اور خواہ قوتیں انہیں کیا کچھ سمجھیں ہوں۔

❁ انسانی حقوق کو اسلامی مفہوم کے مطابق تسلیم کرنا، صالح معاشرہ کے قیام کا پیش خیمہ ہے

بلاشبہ ان حقوق کو تسلیم کرنا، حقیقی اسلامی معاشرہ کے قیام کا صحیح راستہ ہے اور یہ معاشرہ درج ذیل اوصاف سے متصف ہوگا۔

[1] معاشرے کے تمام افراد کے درمیان برابری، بایں طور کہ کسی فرد کو دوسرے فرد پر حسب ونسب یا قوم قبیلے یا رنگ اور زبان کی بنیاد پر برتری حاصل نہیں۔

[2] واجبات کی ادائیگی میں صعوبت اٹھانے اور حقوق سے فوائد حاصل کرنے میں معاشرتی مساوات، اور ایسی مساوات جو مشترک انسانی اصل سے پھوٹتی ہے۔

چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ﴾ [حجرات : 13]

''اے لوگو! ہم نے تمہیں نر اور مادہ سے پیدا کیا ہے۔''

اور اس بنا پر جو اللہ نے انسان پر عزت و تکریم کے انعام کی فراوانی کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلْنَٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴾ [بنی اسرائیل : 70]

''اور ہم نے آدم کے بیٹوں کو عزت و تکریم عطا کی اور انہیں خشکی اور تری میں اٹھایا اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی عطا کی اور انہیں اپنی پیدا کردہ بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا کی۔''

[3] اس معاشرے میں انسان کی آزادی، اس کی زندگی کی پیدائشی روح کے برابر تسلیم کی گئی ہے چنانچہ وہ اس آزادی کے سائے میں جبر و استبداد اور ذلت و غلامی سے محفوظ رہ کر اپنی حیثیت کو مضبوط کر سکتا ہے۔

[4] اس معاشرے میں خاندان کے اندر معاشرتی گٹھلی کاشت کی جاتی ہے اور یہ معاشرہ اس کے گرد نگہبانی اور تکریم کی دیوار کھڑی کرتا ہے اور اسے استقرار اور ترقی کے اسباب مہیا کرتا ہے۔

[5] اس معاشرے میں حاکم اور رعایا برابر طور پر خالق کائنات کی نازل کردہ شریعت کے سامنے جواب دہ ہیں اور ان کے درمیان کسی طرح کا امتیاز اور فرق نہیں۔

[6] اس معاشرے میں اقتدار کی امانت حاکم کی گردن میں ڈال دی جاتی ہے تاکہ وہ مقاصد شریعت کو پورا کرے اور ان مقاصد کو پورا کرنے کے لیے وہی راستہ اختیار کرے جو اس نے متعین کیا ہے۔

[7] اس معاشرے میں ہر انسان اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک پوری کائنات کا تنہا مالک ہے اور اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی تمام مخلوق کے لیے مسخر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اس کائنات میں کسی نسل یا قوم کا کوئی

ذاتی استحقاق نہیں ہے اور ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ عادلانہ طریقے سے اس عطیہ خداوندی سے اپنا حق وصول کرے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ﴾

[جاثیہ : 13]

"اور اس نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اپنی طرف سے سارے کا سارا۔"

[8] اس معاشرے میں ذمہ دار عوامی نمائندگان متعین کئے جاتے ہیں جو امت کے معاملات منظم کرتے ہیں اور با اختیار ادارے انہیں باہمی مشاورت سے نافذ کرتے ہیں اس سلسلے میں فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَأَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْنَهُمْ ﴾ [شوریٰ : 38]

[9] اس معاشرے میں مساوی مواقع کی فراوانی ہوتی ہے تاکہ ہر انسان اپنی قدرت اور لیاقت کے مطابق ذمہ داریاں سنبھال سکے اور ان کا حق ادا کر کے اور دنیا میں اپنی قوم کے سامنے اور آخرت میں اپنے خالق کے سامنے سرخرو ہو سکے۔

حدیث شریف میں ہے:

[كُلُّكُم رَاعٍ وَ كُلُّكُم مَسْئُولٌ عَن رَعِيَّتِهِ] [رواہ الخمسۃ]

"کہ تم سب پاسبان ہو اور تم سب اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہو۔"

[10] اس معاشرے میں مساوات کے اصول پر حاکم اور محکوم عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہوتے ہیں حتی کہ لین دین کے جھگڑوں کی کارروائی کے وقت بھی۔

[11] اس معاشرے میں ہر شہری اپنے معاشرے کا ضامن ہے، اسے حق ہے کہ وہ

کسی بھی انسان کے خلاف دعویٰ دائر کر سکے جو معاشرے کے حق میں کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہو۔

[12] یہ معاشرہ ہر طرح کے ظلم واستبداد کو مسترد کرتا ہے اور ہر شہری کو اس میں امن وسلامتی اور آزادی اور شرافت اور عدل و انصاف کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ (کیونکہ اس نے) انسان پر اللہ کی شریعت کے متعین کردہ حقوق کی پابندی کرنے اور اس کے نفاذ پر عملی اقدام کرنے اور بیدار رہ کر اس کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دینا لازم ٹھہرایا ہے۔

یہ ہے اسلام میں انسانی حقوق کے بیان کی تمہید، ہم نے اسے انسانی حقوق کے انٹرنیشنل اسلامی بیان سے منتخب کیا ہے، باقی رہا خصوصی طور پر اسلام میں انسانی حقوق اور ان کی نوعیت اور مضمون، تو اس سلسلے میں ہم اس اعلامیے پر اکتفاء کریں گے جو اسلام کے حقوق کے متعلق اعلان قاہرہ میں وارد ہوا اور 1990ء بمطابق 1411ھ میں اسلامی کانفرنس کی طرف سے صادر ہوا اور یہ اسلام میں انسانی حقوق کے متعلق دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے اس اعلان کی تیاری میں اسلامی دنیا کے مایہ ناز مفکرین نے شرکت کی اور کتاب وسنت میں ذکر کردہ قوانین کو مدنظر رکھ کر اسلام میں انسانی حقوق کی حدود مقرر کیں۔

❁ کتاب وسنت میں مذکور انسانی حقوق

اسلامی ممالک کی نمائندہ تنظیم (آئی، سی، او) نے اعلان قاہرہ میں 'اسلام میں انسانی حقوق' کی وضاحت کتاب وسنت کی روشنی میں کی چنانچہ اس اعلان کی اہمیت کے پیش نظر ہم اسے بعینہ سطور ذیل میں درج کرتے ہیں:

اسلام میں انسانی حقوق کے سلسلے میں اعلان قاہرہ

یہ اعلان اُمت مسلمہ (جسے اللہ نے بہتر امت بنایا ہے) کے تہذیبی اور تاریخی کردار کو فعال بنانے کے لیے ہے کیونکہ وہ ایسی متوازن عالمی انسانی تہذیب کی وارث بنائی گئی ہے جس نے دنیا کو آخرت اور علم کو ایمان کے ساتھ مربوط کر دیا تھا۔ اُمید کی جاسکتی ہے کہ یہ اُمت آج اس انسانیت کی ہدایت کا فریضہ سرانجام دے گی جو نظریات اور رجحانات کے کمپیٹیشن (Competition) اور مادی تہذیب کی دائمی مشکلات کی گرہ کشائی کی پیشکش کے درمیان حیران کھڑی ہے۔

مزید برآں یہ اعلان انسانی حقوق کو استحصال اور ظلم سے بچانے کے سلسلے میں ان انسانی کاوشوں میں شمولیت کرتا ہے اور اس کی آبرومندانہ زندگی کے سلسلے میں اس کی ایسی آزادی اور ایسے حقوق کی تاکید کرتا ہے جو اسلامی شریعت کے ساتھ متفق ہیں۔

ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ انسانی دنیا، مادی اعتبار سے ترقی کی معراج کمال تک جا پہنچی ہے، لیکن پھر بھی وہ اپنی تہذیب کے لیے ایمان کی سند کی شدید محتاج ہے اور ایسے سپیشل گارڈ کی بھی محتاج ہے جو اس کے حقوق کی نگہبانی کرے (علاوہ ازیں) یقین کی بنیاد پر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اسلام میں بنیادی حقوق اور جنرل آزادیاں، مسلمانوں کے دین کا حصہ ہیں، کسی فرد کو اصولی طور پر اس بات کا اختیار نہیں کہ وہ انہیں کلی یا جزئی طور پر معطل کرے یا ان کی خلاف ورزی کرے یا ان سے تجاہل برتے کیونکہ یہ خداوندی تکلیفی احکام ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق کتابیں نازل فرمائی ہیں اور ان کی تبلیغ اور نفاذ کے لیے خاتم النبیین کو مبعوث فرمایا اور ان کے ساتھ آسمانی پیغامات کی تکمیل فرمائی اور ان کی پاسداری

کرنا عبادت ٹھہرا اور انہیں نظر انداز کرنا یا انہیں پامال کرنا دین میں منکر قرار پایا ہے اور ہر انسان اپنے طور پر ان کے متعلق جواب دہ ہے اور امت اسلام مشترکہ طور پر ان کے متعلق جواب دہ ہے۔ لہٰذا اس بنا پر اسلامی کانفرنس کی نمائندہ تنظیم (آئی۔سی۔او) کے رکن ممالک مندرجہ ذیل اعلان کرتے ہیں:

پہلی دفعہ

(ا) تمام انسان ایک کنبہ (کی مانند) ہیں۔ اللہ کی عبودیت و غلامی اور حضرت آدم کی فرزندی نے انہیں (ایک گھر میں) جمع کر دیا ہے اور تمام لوگ بنیادی طور پر جنس، زبان، رنگ، نسل یا دینی اعتقاد یا سیاسی نسبت یا معاشرتی حیثیت وغیرہ اعتبارات کی تمیز کے بغیر ذمہ داری، فرائض کی بجا آوری اور احترام میں برابر ہیں اور صحیح عقیدہ، انسان کی تکریم کی نشو ونما کر کے اسے مکمل انسان بنانے کی ضمانت ہے۔

(ب) تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور ان میں سے اللہ کے ہاں وہی زیادہ محبوب ہے جو اس کے کنبے کے لیے نفع مند ہو اور یہ کہ تقویٰ اور عمل صالح کے بغیر کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر فضیلت حاصل نہیں۔

دوسری دفعہ

(ا) زندگی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور ہر انسان انفرادی طور پر اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اور تمام افراد اور معاشروں (Societies) اور حکومتوں پر واجب ہے کہ وہ اس حق کو ہر طرح کی زیادتی سے محفوظ بنائیں اور بغیر کسی شرعی تقاضے کے کسی

جان کو ختم کرنا جائز نہیں ہے۔

(ب) ایسے وسائل پر عمل پیرا ہونا حرام ہے جو انسانی سرچشمے کو مکمل طور پر ملیامیٹ کرنے کا ذریعہ ہوں۔

(ج) جب تک اللہ تعالیٰ چاہے اس وقت تک انسانی زندگی کے تسلسل پر توجہ دینا شرعی حق ہے۔

(د) انسان کے جسم کی سلامتی مستحکم قرار دی گئی ہے اس پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے اور بغیر کسی شرعی عذر کے اسے ٹھیس پہنچانا بھی جائز نہیں اور حکومت اس کی نگہبانی کی ذمہ دار ہے۔

تیسری دفعہ

(ا) مسلح تصادم کی صورت میں طاقت کے استعمال کے وقت ان لوگوں کو قتل کرنا جائز نہیں جن کا لڑائی میں کوئی کردار نہ ہو جیسے بوڑھے، عورتیں اور بچے۔

زخمی اور مریض کا حق ہے کہ ان کا علاج کیا جائے اور قیدی کا حق ہے کہ اسے روٹی، کپڑا اور مکان فراہم کیا جائے اور مقتولین کا مثلہ کرنا جائز نہیں اور ایسے قیدیوں کا تبادلہ کرنا اور ان کی ملاقات کا اہتمام کرنا واجب ہے جنہیں لڑائی کے حالات نے جدا کر دیا ہو۔

(ب) دشمنی کی صورت میں درختوں کو کاٹنا یا کھیتوں کو اجاڑنا یا جانوروں کو مارنا یا گھروں کو گرانا یا سول تنصیبات کو نشانہ بنانا جائز نہیں ہے۔

چوتھی دفعہ

ہر انسان کی عزت و آبرو ہے لہٰذا اس کی زندگی اور موت کے بعد اس کی

شہرت کو مجروح کرنا جائز نہیں اور حکومتوں اور معاشروں پر واجب ہے کہ اس کے جسم اور اس کی قبر کی حفاظت کریں۔

پانچویں دفعہ

(ا) خاندان، معاشرے کی تعمیر کی بنیاد ہے اور شادی اس انسٹیٹیوشن (خاندان) کی بنیاد ہے لہٰذا مردوں اور عورتوں کو شادی کا حق ہے اور اس حق کے سامنے قوم، رنگ، نسل کی پابندیاں حائل نہیں ہوسکتیں۔

(ب) حکومت اور معاشرے پر واجب ہے کہ وہ شادی کے سامنے کی رکاوٹیں دور کریں اور اس کی راہ آسان کریں اور خاندان کی حفاظت اور نگرانی کریں۔

چھٹی دفعہ

(ا) انسانی شرافت و بزرگی میں عورت بھی مرد کے برابر ہے اور اس کے لیے حقوق بھی اتنے ہیں جتنے اس پر فرائض عائد ہوتے ہیں اور اس کی سول شناخت ہے اور وہ اپنا الگ (فنانشنل اکاونٹ) الاٹ کراسکتی ہے اور اپنے نام اور نسب کے ساتھ اس کی حفاظت کا استحقاق رکھتی ہے۔

(ب) کنبے کے اخراجات اور اس کی نگہداشت کی ذمہ داری شوہر کے کندھوں پر ہے۔

ساتویں دفعہ

(ا) ولادت کے وقت ہر بچے کا والدین اور معاشرے اور حکومت پر حق ہے کہ وہ اس کی پرورش، تعلیم وتربیت، جسمانی صحت کا اہتمام کریں اور اس کی مادی اور ادبی سرپرستی کریں اس کے علاوہ جنین اور اس کی ماں کی حفاظت اور ان پر خصوصی

توجہ دینا بھی واجب ہے۔

(ج) والدین اور گارڈین کا حق ہے کہ وہ اخلاقی اقدار اور شرعی احکام کی روشنی میں اپنے بچوں کی مصلحت اور مستقبل کے پیش نظر اپنی من پسند تعلیم و تربیت کی نوع کا انتخاب کریں۔

(د) شرعی احکام کے مطابق والدین کے اپنی اولاد پر اور قریبی رشتہ داروں کے اپنے رشتہ داروں پر حقوق ہیں۔

آٹھویں دفعہ

ہر انسان کو لازمی طور پر اپنی قابلیت سے لطف اندوز ہونے کا حق ہے اور جب اس کی قابلیت مفقود ہو جائے یا ناقص ہو جائے تو اس کا سرپرست اس کے قائم مقام کھڑا ہو سکتا ہے۔

نویں دفعہ

(ا) علم، طلب کرنا فرض ہے اور معاشرے اور حکومت پر تعلیم کا اہتمام واجب ہے اور ان کے ذمہ ہے کہ وہ اس کے راستے اور وسائل اور اس کی اقسام کو معتبر بنائے جس سے معاشرے کی مصلحت یقینی ہو جائے اور انسان کو دین اسلام کی معرفت اور کائنات کے حقائق، اشرف المخلوقات کے لیے اس کی تسخیر کا راز جاننے کی فرصت دے۔

(ب) خاندان، سکول، یونیورسٹی، میڈیا اور دیگر تعلیمی اداروں اور گائیڈ لائنز اداروں انسٹی ٹیوٹز پر ہر انسان کا حق ہے کہ وہ اس کی دینی اور دنیاوی تربیت کا متوازن اور ہمہ جہتی انتظام کریں جو اس کی پرسنلٹی کی نشوونما کریں اور اس کے اندر ایمان باللہ

مستحکم کریں اور اسے حقوق اور واجبات کا احترام اور ان کی حفاظت کا درس دیں۔

دسویں دفعہ

اسلام دین فطرت ہے اور انسان پر کسی طرح کا جبر آزمانا جائز نہیں اور نہ ہی اس کی تنگدستی اور جہالت کا استحصال جائز ہے جو اسے ایک دین سے دوسرے دین یا الحاد کی طرف دھکیل دے۔

گیارہویں دفعہ

(ا) انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور کسی کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ اسے غلام بنائے اور اسے ذلیل کرے یا اس پر جبر کرے یا اس کا استحصال کرے اور اللہ کے علاوہ کسی کی بندگی اور غلامی جائز نہیں۔

(ب) ناجائز قبضہ، خواہ کسی بھی شکل میں ہو، غلامی کی بدترین اقسام میں سے ہے اور یہ قطعاً حرام ہے اور جو قومیں ناجائز قبضے سے متاثر ہیں انہیں اس سے آزادی حاصل کرنے اور اپنا فیصلہ اپنے آپ کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے اور تمام حکومتوں اور قوموں پر فرض ہے کہ وہ ان کی جدوجہد میں ان کا ہاتھ بٹائیں تاکہ ہر طرح کی غلامی یا تسلط سے نجات حاصل کریں اور تمام اقوام کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مستقل شناخت کی حفاظت کریں اور اپنی ثروت اور قدرتی وسائل کو اپنے قبضے میں رکھیں۔

بارہویں دفعہ

بلحاظ شریعت ہر انسان کو نقل مکانی کی آزادی حاصل ہے اور اسے اندرون وبیرون ملک سکونت اختیار کرنے کا حق حاصل ہے اور جب اس پر ظلم ہو تو اسے

دوسرے ملک میں پناہ حاصل کرنے کا حق ہے اور جس ملک میں وہ پناہ حاصل کرے اس پر واجب ہے کہ وہ اسے پناہ دے یہاں تک کہ وہ حالت امن میں داخل نہ ہو جائے البتہ پناہ کا سبب، شرع کی نگاہ میں کسی جرم کا ارتکاب نہ ہو۔ (ورنہ پناہ حاصل کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا)

تیرہویں دفعہ

ہر اہل اور لائق فرد کو روزگار مہیا کرنا حکومت اور معاشرے کی ذمہ داری ہے اور انسان کو اپنے لئے ایسا کام منتخب کرنے کا اختیار ہے جو اس کی مصلحت اور معاشرے کی مصلحت کو یقینی بنائے۔ مزدور کا حق ہے کہ اسے امن وسلامتی اور دیگر تمام معاشرتی ضمانتیں فراہم کی جائیں اور اسے اس کام پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے جس کی وہ استطاعت نہیں رکھتا اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ اس کا استحصال کیا جائے یا اسے اس کام کے ذریعے تکلیف پہنچائی جائے اور مزدور (مرد ہو یا عورت) کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے کام کے معاوضے کا فوری مطالبہ کرے اور اسے استحقاقیہ رخصتوں، الاؤنسوں اور انعامات وصول کرنے کا حق ہے اور وہ اپنے کام میں ایمان داری اور پختگی کا ذمہ دار ہے اور جب آجروں اور مزدوروں کے درمیان اختلاف پڑ جائے تو حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ ظلم و زیادتی رفع کرنے اور حق دلانے اور کسی کی جانب داری کے بغیر ان کے درمیان عدل وانصاف سے نزاع ختم کرائے۔

چودہویں دفعہ

ہر انسان کو جائز کاروبار کا حق حاصل ہے البتہ اسے ذخیرہ اندوزی، دھوکا فریب، اپنے آپ یا دیگر افراد کو تکلیف دینے کا حق حاصل نہیں ہے اور سود قطعاً

حرام ہے۔

پندرہویں دفعہ

(ا) ہر انسان کو شرعی طریقوں سے ملکیت حاصل کرنے اور حقوق ملکیت سے فوائد اٹھانے کا حق حاصل ہے البتہ اسے ان کے ذریعے افراد اور معاشرے کو تکلیف دینے کا حق نہیں ہے اور حقوق ملکیت سلب کرنا جائز نہیں الا یہ کہ اس سے عمومی مفادات وابستہ ہوں اور ان کے بدلے میں فوراً منصفانہ معاوضہ ادا کر دیا جائے۔

(ب) شرعی تقاضوں کے بغیر جائیداد پر چھاپا مارنا اور اسے قبضے میں لینا حرام ہے۔

سولہویں دفعہ

ہر انسان کو اپنی علمی، ادبی، فنی، تکنیکی خدمات کے فوائد حاصل کرنے کا حق حاصل ہے اور اس کو یہ حق اس صورت میں حاصل ہے جب اس کی ادبی اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی آمدنی احکام شریعت کے خلاف نہ ہو۔

سترہویں دفعہ

(ا) ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ ایسے ماحول میں زندگی بسر کرے جو خرابیوں اور اخلاقی قباحتوں سے پاک ہو اور وہ ماحول اس کی ذات کو معنوی طور پر پنپنے دے۔ معاشرے اور حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ اسے یہ حق پورا پورا ادا کرے۔

(ب) ہر انسان کا معاشرے اور حکومت پر حق ہے کہ یہ دونوں اس کی صحت اور معاشرت کا فکر کریں اور بایں طور پر وہ میسر وسائل سے امکانی حدود کے اندر تمام عوامی ضروریات فراہم کریں جن کا وہ محتاج ہے۔

(ج) حکومت ہر انسان کے باعزت زندگی بسر کرنے کے حق کی ذمہ دار ہے بایں طور کہ وہ ایسے وسائل فراہم کرے جو اسے اور اس کے کنبے کو کافی ہوں اور ان میں روٹی، کپڑا، گھر، تعلیم، علاج اور تمام بنیادی ضروریات شامل ہیں۔

اٹھارہویں دفعہ

(ا) ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی جان، اپنے دین، اپنے گھر اور اپنی عزت اور اپنے مال کے بارے میں امن سے زندگی بسر کرے۔

(ب) انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے گھر، اپنے خاندان، اپنے مال اور اپنے روابط اور اپنی پرائیوٹ زندگی کے معاملات میں خود مختار ہو۔ لہٰذا اس کی جاسوسی یا اس پر کڑی نظر رکھنا یا اس کی شہرت کو نقصان پہنچانا جائز نہیں اور ہر طرح کی ظالمانہ مداخلت کے موقع پر اس کی حمایت کرنا واجب ہے۔

(ج) ہر حال میں گھر کی حرمت برقرار ہے لہٰذا گھر کے رہنے والوں کی اجازت کے بغیر نہ تو اس میں داخل ہونا جائز ہے اور نہ ہی غیر مشروع صورت میں اسے دیکھنا جائز ہے اور نہ اسے گرانا یا اسے ضبط کرنا یا اس کے رہنے والوں کو بے دخل کرنا جائز ہے۔

انیسویں دفعہ

(ا) تمام لوگ شریعت کے سامنے برابر ہیں، خواہ حاکم ہوں یا محکوم۔

(ب) تمام لوگوں کو عدالت میں دادرسی کے لیے دعویٰ کرنے کا حق ہے۔

(ج) ذمہ داری میں پرسنلٹی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے (یعنی محض تعلیمی ڈگریوں کی

بنیاد پر کسی کو ذمہ داری نہیں دی جاسکتی)

(د) صرف وہی فعل جرم ہے جسے شریعت نے جرم قرار دیا ہو اور صرف وہی تعزیر ہے جسے شریعت نے تعزیر قرار دیا ہے۔

(ر) تہمت زدہ شخص اس وقت تک بیگناہ ہے جب تک ایسی عادلانہ انکوائری کے ذریعے اس کا گناہ ثابت نہ ہو جس میں اسے دفاع کی تمام ضمانتیں میسر ہوں۔

بیسویں دفعہ

کسی شرعی تقاضے کے بغیر کسی انسان کو گرفتار کرنا یا اس کی آزادی کو محدود کرنا یا اسے جلاوطن کرنا یا اسے سزا دینا جائز نہیں ہے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ اسے جسمانی یا ذہنی اذیت یا کسی طرح کی رسواکن یا سنگدلانہ یا انسانی شرافت کے منافی عدالت کا نشانہ بنایا جائے۔ علاوہ ازیں کسی انسان کو طبی یا علمی تجربات پر آمادہ کرنا بھی جائز نہیں اِلاّ یہ کہ وہ رضا مند ہو اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اس کی صحت اور زندگی خطرے سے دوچار نہ ہو علاوہ ازیں قوانین پر عمل درآمد کرانے والے اداروں کو اپنے طور پر استثنائی قوانین کی عمر میں ترمیم کرنا بھی جائز نہیں۔

اکیسویں دفعہ

کسی انسان کو کسی بھی مقصد کے لیے کسی صورت میں بھی یرغمال بنانا حرام ہے۔

بائیسویں دفعہ

(ا) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرے جبکہ وہ شرعی اُصولوں کے متصادم نہ ہو۔

(ب) شرعی ضابطوں کے موافق ہر شخص کو خیر کی طرف دعوت دینے اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا حق حاصل ہے۔

(د) میڈیا کا استعمال معاشرے کو سرگرم رکھنے کے لیے ضروری ہے اور اس کے ذریعے استحصال کرنا اور اسے غلط استعمال کرنا اور کسی مذہب و ملت کی مقدس ہستیوں کی کردار کشی کرنا حرام ہے اور اس میں توہین نبوت بھی داخل ہے اور اس کے ذریعے ہر ایسے کام کی مشق کرنا بھی حرام ہے جو اقدار میں خلل انداز یا معاشرے کی خلفشاری اور بگاڑ یا تکلیف یا اعتقاد کی خرابی کا سبب ہو۔

(م) قومی اور مذہبی نفرت کو بھڑکانا جائز نہیں اور ہر وہ کام بھی جائز نہیں جو کسی شکل میں نسلی تفاخر کا سبب بنتا ہو۔

تیئسویں دفعہ

(ا) حکومت عہدہ امانت ہے اس میں من مانی کرنا اور اسے غلط استعمال کرنا قطعاً حرام ہے کیونکہ یہ انسان کے بنیادی حقوق کی ضمانت ہے۔

(ب) ہر انسان کو ملک کے جنرل پروگراموں میں شرکت کا حق حاصل ہے وہ براہ راست ہو یا بالواسطہ، علاوہ ازیں اسے حق حاصل ہے کہ وہ شرعی احکام کے موافق عوامی پوسٹوں پر تعینات ہو۔

چوبیسویں دفعہ

اس ڈیکلریشن میں جتنے حقوق اور آزادیاں بیان ہوئی ہیں وہ شرعی احکام کے ساتھ مقید ہیں۔

پچیسویں دفعہ

اسلامی شریعت ہی اس ڈیکلریشن میں مذکور تمام دفعات کی تفسیر یا توضیح کا مآخذ ہوگی۔ [القاہرہ، 14 محرم الحرام 1411ھ، 5 اگست 1990ء]

یہ ہیں انسانی حقوق جو اسلامی کانفرنس کی طرف سے اعلان قاہرہ میں صادر کئے گئے اور اسلامی شریعت کی نصوص کی روشنی میں ان حقوق کا اجمالی خلاصہ درج ذیل ہے:

[1] قرآن کریم کی نص کے پیش نظر انسان کی تکریم وتعظیم، کیونکہ اس میں بیان ہوا ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ﴾ [اسراء : 70]

''کہ ہم نے آدم کے بیٹوں کو عزت بخشی۔''

[2] حضرت رسول کریم ﷺ کے فرمان کے پیش نظر، انسان کے بنیادی حقوق اور اس کے اور دیگر انسانوں کے درمیان کسی طرح کی نسلی، قومی، نسبی، مالی تمیز کے بغیر مساوات کیونکہ حضرت رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

[لَا فَضلَ لِعَرَبِيّ عَلٰى عَجَمِيّ وَلَا لِاَبْيَضَ عَلٰى اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى]

''کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ وپرہیزگاری کے ساتھ۔''

اور آپ کا یہ فرمان بھی ہے:

[النساء شقائق الرجال] [ترمذی]

''کہ عورتیں مردوں کا حصہ ہیں۔''

[3] انسانی کنبے کی وحدت و یگانگت کا اعلان، کیونکہ اللہ کے ہاں بنو آدم میں سے بہتر وہ ہے جو اس کنبے کے حق میں زیادہ نفع مند ہو کیونکہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

[اَلْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اللّٰهِ وَ أَحَبُّهُمْ إِلَيهِ أَنفَعُهُم لِعِيَالِهِ]

''کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور ان میں سے اللہ کے ہاں زیادہ پیار وہ ہے جو اس کی مخلوق کے حق میں زیادہ نفع مند ہو۔''

[4] خیر کے کاموں میں تعاون اور بلاتفریق مذہب وقومیت تمام انسانوں کے ساتھ ہر طرح کی نیکی کی دعوت۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ [حجرات : 13]

''اور ہم نے تمہیں برادریاں اور قبیلے بنایا تا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو اور تم میں سے اللہ کے ہاں عزت دار وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔''

اور یہ بھی فرمایا:

﴿ لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾ [ممتحنه : 8]

''اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جنہوں نے نہ تو تم سے دین کی وجہ سے لڑائی کی اور نہ ہی انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا (لہٰذا) تم ان سے حسن سلوک کرو اور ان سے منصفانہ برتاؤ کرو بے شک اللہ

تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

انسان کو اپنے عقیدے کی آزادی اور اس کے بارے میں اس پر جبر کا عدم جواز۔ کیونکہ قرآن میں ہے:

﴿ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ﴾ [بقرہ : 265]

"کہ دین کے بارے میں جبر کا کوئی جواز نہیں۔"

[5] اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ [یونس : 99]

"(اے پیغمبر) کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا تاکہ وہ مؤمن بن جائیں۔"

[6] انسان کے مال و جان پر ہاتھ ڈالنے کی حرمت۔ کیونکہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

[إن أموالكم و دماءكم حرام] [خطبہ حجۃ الودع]

"بے شک تمہارے مال اور تمہارے خون تم پر حرام ہیں۔"

[7] اللہ تعالیٰ کے فرمان کے پیش نظر، انسان کی آزادی کی حفاظت کی خاطر اس کے گھر کا تحفظ، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا﴾ [نور : 27]

"اے ایمان والو تم داخل نہ ہوا کرو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں حتی کہ تم انس حاصل کرلو۔"

[8] معاشرے کے افراد کے درمیان آبرومندانہ زندگی بسر کرنے اور فقر وفاقہ سے

آزادی کی خاطر نظام کفالت کا قیام، بایں طور کہ حاجت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کی غرض سے دولت مندوں کی دولت سے مقررہ حصے کی وصولی۔

چنانچہ قرآن میں ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴾ [معارج : 24]

''اور وہ لوگ جن کے مالوں میں سائل اور بے سہارا لوگوں کے لیے مقرر حصہ ہے۔''

[9] جہالت کو ختم کرنے کے لیے ہر مسلمان پر حصول علم کا وجوب۔ فرمان رسول ﷺ ہے۔

[طَلَبُ الْعِلمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مسلمٍ] [ابن ماجه]

''کہ علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

اوراس کے ساتھ ساتھ آسمان وزمین کے گوشوں کی نقاب کشائی، تاکہ ان میں غور وفکر کیا جائے اوران کی طرف رسائی کے لیے قدم بڑھایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ [یونس : 101]

''کہہ دیجیے کہ دیکھو آسمانوں وزمین میں کیا ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ ﴾ [سورہ رحمٰن : 32]

''اگر تم زمین اورآسمان کے گوشوں سے آگے گزر سکتے ہوتو گزر جاؤ لیکن

تم علیے اور سند کے بغیر نہیں گزر سکتے۔"

تعلیم و تعلم سے راہ فرار اختیار کرنے والوں پر سزا کا وجوب، اور یہ ایسا اقدام ہے کہ کوئی بھی حکومت انسانی حقوق کے لیے آج تک ایسا نہ کر سکی اور یہ دفعہ حضرت رسول کریم ﷺ کے فرمان کی تعمیل میں ہے، کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

[لَيَتعلَّمُنَّ قَوْمٌ مِن جِيْرَانِهِم وَلْيُعَلِّمُنَّ قَوْمٌ جِيْرَانَهُم أَوْلاً عَاجِلَنَّهُم العُقُوبَةَ]

"کہ ہر قوم اپنے پڑوسیوں سے تعلیم حاصل کرے اور ہر قوم اپنے پڑوسیوں کو تعلیم دے یا پھر میں انہیں سزا دینے میں پہل کروں گا۔"

[11] متعدی بیماریوں کی صورت میں چودہ سو سال قبل ہی ہیلتھ ایکٹ کا نفاذ۔ قبل اس کے کہ اس دور کی کوئی حکومت اسے اپنے قانون میں داخل کرنے کے لیے بیدار ہوتی۔ اور صحت عامہ کو بیماری سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ ایکٹ، معاشرے کو فقر اور جہالت سے بچانے سے بھی زیادہ اہم ہے چنانچہ یہ ایکٹ بھی حضرت رسول کریم ﷺ کے فرمان کی تعمیل میں ہے۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

[إِذَا سَمِعتُم بِالطَّاعُونِ بِأَرضٍ فَلَا تَدخُلُوهَا وإِذَا وَقَعَ وَ أَنتُم بِأَرضٍ فَلَا تَخرُجُوا مِنهَا فِرَارا مِنهُ] [احمد]

"کہ جب تم سنو کہ کسی سرزمین میں طاعون برپا ہے تو اس میں داخل نہ ہوا کرو اور جب وہ کسی جگہ برپا ہو جائے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے مت نکلو۔"

علاوہ ازیں مذکورہ بالا حقوق کی حفاظت کے لیے اسلامی شریعت میں بے شمار

قانونی دفعات ہیں اور اجمالاً انسان کے ایسے بنیادی حقوق کی تشریح کرتی ہیں جن کو چھونا بھی جائز نہیں۔ علاوہ ازیں وہ دفعات اس کے اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی حقوق کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہیں اور پھر ایسی بلند اور آفاقی انسانیت کے انداز میں بیان کرتی ہیں جو ایک انسان اور کسی دوسرے انسان کے درمیان کسی طرح کے امتیاز کو جگہ نہیں دیتیں اور خصوصاً وہ امتیازات جن کی وجہ سے انسانی حقوق کے عالمی اعلان کی ضرورت پڑی اور وہ یہ ہیں (قوم، رنگ، زبان، مذہب کی بنیاد پر امتیاز یا ہم وطنی یا معاشرتی یا کاروباری یا ملکی امتیاز) بلکہ ہم اس پر مزید اضافہ کرتے ہیں اور جس کی اس عالمی اعلان کے مرتبین کو بھنک بھی نہ پڑی اور قرآن نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُونُوا قَوّٰمِينَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوا اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ [المائدہ : 5]

”اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر انصاف کو تھامنے والے گواہ بن جاؤ اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو کیونکہ یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھنے والا ہے۔“

ان آیات سے اس بات پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے کہ حقد (کینہ توزی) اور عداوت کی بنا پر حقوق میں امتیاز کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح اسلام نے اعلان کیا ہے کہ عورتیں مردوں کے ہم رتبہ ہیں اور ان کے لیے بھی اتنے حقوق ہیں جتنے ان پر فرائض وحقوق عائد ہیں۔ البتہ مردوں کو کنبے کی سربراہی کا حق دیا گیا

ہے کیونکہ اسے تکوینی طور پر ایسی خصوصیات سے نوازا گیا ہے جو اسے بھاری معاشرتی ذمہ داری کے اٹھانے کے قابل کرسکتی ہیں۔ اور درحقیقت یہ مسئولیت ایک بھاری ذمہ داری ہے جو مردوں کے کندھوں پر رکھی گئی ہے اور عورت کو اس سے آزاد کردیا گیا ہے بغیر اس بات کے کہ اس سے اس کی مردوں کے مساوی عزت وتکریم یا دونوں جنسوں کے مساوی حقوق میں کوئی فرق آئے، اسلام کی تمام قانونی دفعات سے، انسان کے بنیادی حقوق کے متعلق اسلام کی غیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور اس بات کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے انسان کے اقتصادی اور معاشرتی اور ثقافتی حقوق میں کس قدر دلچسپی لی ہے اور اسلام نے ان دفعات میں محض اخلاقی وعظ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قانونی احکام صادر کئے ہیں اور ان کے نفاذ کی گارنٹی کے لیے ان کے گرد ہر طرح کی ضروری قانونی دفعات قائم کی ہیں اور یہ ایسا اقدام ہے کہ انسانی حقوق کے عالمی اعلان کی دفعات یہاں تک نہیں پہنچیں اور نہ ہی انسان کے اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی حقوق کے متعلق بین الاقوامی معاہدے کی دفعات کی یہاں تک رسائی ہوسکی بلکہ یہ بین الاقوامی دفعات، ادبی سفارشات تک محدود رہیں جن کو نہ تو بین الاقوامی معیار کی قانونی ضمانت فراہم ہوسکی اور نہ ہی صوبائی معیار کی۔ اور ہم اس نقطے پر مزید روشنی اس وقت ڈالیں گے جب ہم اسلام میں انسانی حقوق کی حفاظت اور عالمی معاہدات کے درمیان موازنے پر بحث کریں گے۔

❁ اسلام میں انسانی حقوق کی خصوصیات اور امتیازات

علمائے کرام نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے انسانی حقوق کے سلسلے

میں جو کچھ استخراج کیا اور ان کے متعلق جو کچھ ہم نے گذشتہ جائزے میں پیش کیا ہے:

''اسلام میں انسانی حقوق، بہت سی خصوصیات اور امتیازات میں منفرد ہیں۔''

ان میں سے اہم امتیازات درج ذیل ہیں:

[1] اسلام میں انسانی حقوق اسلامی عقیدے سے پھوٹتے ہیں:

کیونکہ اسلامی عقیدے کے مطابق انسان اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے افضل اور اکرم ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلْنَٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾ [الاسراء : 70]

''اور بلاشبہ ہم نے آدم کے بیٹوں کو عزت بخشی اور انہیں خشکی اور تری میں اٹھایا اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی عطا کی اور انہیں اپنی پیدا کردہ بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا کی۔''

[2] اسلام میں انسانی حقوق خداوندی عطیہ ہیں:

جو اللہ نے اپنی مخلوق کو عطا فرمائے ہیں یہ کسی مخلوق کا اپنے جیسی مخلوق کو تحفہ نہیں ہیں کہ ایک مخلوق دوسری مخلوق پر ان کے ذریعے احسان کرے اور جب چاہے اس سے چھین لے بلکہ یہ حقوق وہ ہیں جو اللہ نے انسان کے لیے مختص کیے ہیں۔

[3] اسلام میں حقوق کے امتیازات اور خصائص یہ ہیں کہ وہ حقوق کی تمام اقسام پر مشتمل ہیں مثلاً سیاسی حقوق، اقتصادی حقوق، معاشرتی حقوق، ثقافتی حقوق۔ علاوہ ازیں یہ حقوق اسلامی نظام کے زیر اثر زندگی بسر کرنے والے تمام افراد کے لیے عام ہیں، ان حقوق کے معاملے میں رنگ ونسل اور زبان کی تمیز آڑے

نہیں آ سکتی۔

[4] اسلام میں انسانی حقوق کے خصائص میں یہ بھی ہے کہ وہ مکمل ہیں اور تنسیخ کے قابل نہیں ہیں، کیونکہ وہ اسلامی شریعت کا حصہ ہیں۔

[5] اسلام میں انسانی حقوق کے خصائص میں یہ بھی ہے کہ وہ مطلق نہیں بلکہ وہ اس بات کے ساتھ مقید ہیں کہ وہ اسلامی شریعت کے مقاصد کے ساتھ متصادم نہ ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اس معاشرے کے مفادات کے لیے باعث نقصان بھی نہ ہوں جس کا انسان بذات خود ایک حصہ ہے اور اس خوف کے پیش نظر کہ اسلام میں انسانی حقوق کی حدود کی تعیین کے سلسلے میں غلط فہمی نہ پھیل جائے، ہم تین حقوق کے معاملے میں تین مثالیں پیش کرتے ہیں جو اس بات کی متقاضی ہیں کہ ان حقوق کی حفاظت اور ضمانت کے لیے حقوق کی تعیین ضروری ہے اور وہ حقوق یہ ہیں:

[1] اسلام میں اظہار مافی الضمیر اور رائے کی آزادی کے ضابطے۔

[2] اسلام میں دینی آزادی کے ضابطے۔

[3] اسلام میں ذاتی ملکیت کے ضابطے۔

اسلام میں انسانی حقوق کے ضابطے

اسلام نے اپنے اسلامی مفہوم کے دائرے میں رائے اور اظہار کی آزادی کی کفالت کی ہے۔ رائے اور اظہار کی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا پوری آزادی کے ساتھ حق بات کہنے سے لطف اندوز ہونا اور دین و دنیا کے تمام کاموں میں خیر خواہی کا مشورہ دینا تاکہ اس عمل سے مسلمانوں کا مفاد متحقق ہو اور فرد و

معاشرے کے مفادات محفوظ ہوں اور عمومی نظم ونسق کی حفاظت ہو اور یہ سب کچھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دائرے میں ہو اور رائے و اظہار کے سلسلے میں، اسلام کے اہتمام کے ساتھ ہو۔ البتہ اسلام نے اس بات کی ترغیب دلائی ہے کہ رائے اور اظہار کی آزادی ان قواعد وضوابط سے آزاد نہ ہو جو اس کے حسن استعمال کے ضامن ہیں اور اس معاملے کی طرف راہنمائی کرتے ہوں جو لوگوں کو نفع دے اور خالق و مالک کو راضی کر دے۔ چنانچہ اس عمل کے لیے چند حدود ہیں ان سے تجاوز کرنا جائز نہیں ورنہ اس کا انجام ان حدود میں دخل اندازی کے مترادف ہوگا جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے یا اس سے وہ نقصان جنم لے گا جو فرد اور معاشرے کو یکساں طور پر متاثر کرے گا اور عام نظم ونسق اور حسن آداب میں خلل ڈال دے گا۔ چنانچہ ذیل میں ہم ان میں سے اہم ضابطوں کی تلخیص بیان کرتے ہیں۔

[1] اسلام میں رائے اور تعبیر (expression) کی آزادی کو استعمال کرنے میں ایسا منصفانہ اسلوب اختیار کرنا واجب ہے جو حکمت اور بھلی نصیحت کے ساتھ اللہ کی راہ کی طرف دعوت دینے پر قائم ہو اور وہ غیر مشروع جبر اور کسی طرح کی درشتی کی صورت کے بغیر ہو یا اس میں ایسی بحث کو جگہ نہ ملے جس میں دلائل ٹکرانے لگیں اور یہ بات بھی اس ضابطے کو مضبوطی سے تھامنے کی اہمیت کو مضبوط کرتی ہے کیونکہ اس سے غفلت برتنے کا نتیجہ، پریشانی و بے اطمینانی پھیلنے اور فتنوں کے بھڑکنے اور معاشرے کی بنیادیں اکھڑنے کی صورت میں سامنے آتا ہے اور آیات قرآنیہ میں سے جو آیات اس ضابطے پر دلالت کرتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی صورت میں اس طرح ہیں:

﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ [نحل : 125]

"تو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور بھلے وعظ سے دعوت دے اور ان سے اس طریقے سے مباحثہ کر جو اچھا ہے۔ تیرا رب خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو۔"

دوسری جگہ یوں فرمایا:

﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی﴾ [طه : 44]

"چنانچہ اسے نرمی سے بات سمجھانا شاید کہ وہ سمجھ حاصل کرے یا ڈر جائے۔"

اور یہ بھی فرمایا:

﴿ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴾ [فصلت : 34]

"نیکی اور بدی آپس میں برابر نہیں ہو سکتیں تو اس کے ساتھ دفاع کر جو اچھی ہے چنانچہ وہ شخص کہ تیرے اور اس کے درمیان عداوت ہے (وہ یوں ہو جائے گا) کہ گویا وہ گہرا دوست ہے۔"

[2] اسلامی معاشرے میں فرد کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ اس چیز کے اظہار اور بیان پر پابندی عائد کر دی جائے جو لوگوں کے لیے نقصان کا باعث ہو یا ان کی عزت و آبرو پر زیادتی تک پہنچا دے اور اس سے مقصد بھی یہ ہو کہ ان کی عزتوں پر حملہ کیا جائے یا ان کی آبرو چاک کر دی جائے یا ان کے راز کو افشا کر دیا جائے۔ چنانچہ قرآن کی بہت سی آیات میں ایسا کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ ایسے

کام کرنے میں مسلمانوں اور معاشرے کے لیے کوئی مصلحت یا منفعت نہیں ہے بلکہ وہ اس کے برعکس ہے اور اس سے مسلمانوں میں تکلیف اور بے حیائی پھیلانے کے سوا کوئی اور مقصد بھی نہیں ہے۔

چنانچہ اس ضابطے کے دلائل میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا﴾ [مائدہ : 148]

''اللہ تعالیٰ بُری بات کے علانیہ اظہار کو پسند نہیں کرتا البتہ وہ شخص جو مظلوم ہے (اس سے مستثنیٰ ہے) اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔''

دوسرا فرمان یہ ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

[نور : 19]

''بے شک وہ لوگ جو پسند کریں کہ اہل ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہو جائے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

[3] اسلامی معاشرے کی مکمل طور پر حفاظت اور دین کو پامالی سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ ایسی رائے اور تعبیر استعمال کرنے کی اجازت نہ دی جائے جو اسلام اور مسلمانوں کو عمومی طور پر نقصان پہنچائے، ورنہ اس صورت میں ناعاقبت اندیش فسادی پر حد اور تعزیز جاری کردی جائے گی کیونکہ اس نے اس آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھایا جس کے متعلق اس سے کمٹمنٹ ہوئی تھی کہ یہ آزادی انفرادی

اور اجتماعی سطح پر حصول منفعت اور دفع ضرر کے لیے ہے۔

(ب) اسلام میں دینی آزادی کے استعمال کے اہم ضابطے

باوجود اس کے کہ اسلام نے دینی آزادی کا اعتراف کیا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کی ہے پھر بھی اس آزادی کو بغیر کسی پابندی اور ضابطے کے نہیں چھوڑا تاکہ وہ اسے بے ہودہ لوگوں کی بیہودگی سے بچائے یا اس کی آڑ میں وہ اللہ کی شریعت کے ساتھ کھیل وتماشہ کی راہ تلاش کریں۔ لہٰذا اس آزادی کے چند ضابطے اور بنیادی پابندیاں ہیں جو اسلام میں دینی آزادی کے حصول سے منسلک ہیں اور اسلام نے ان کی پاسداری میں دلچسپی لی ہے اور وہ اس طرح کہ:

[1] مسیحیت اور یہودیت جیسے غیر مسلم کتابیوں کے لیے دینی آزادی کا اعتراف مطلق نہیں ہے اور نہ ہی پابندیوں سے آزاد ہے۔ چنانچہ یہ آزادی بھی اس بات کے ساتھ مربوط ہے کہ کسی بھی سنگین صورت حال پیدا کرنے یا ادیان کے خاتم (دین اسلام) میں خلل اندازی کرنے یا اس کے ماننے والوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے لیے شرعاً منسوخ ادیان کا پرچار نہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں اسلامی قلمرو میں یہودیوں اور عیسائیوں کی اپنی اپنی عبادات اور دینی رسومات کی ادائیگی میں آزادی کی نگرانی کی جائے گی کہ وہ دینی آزادیِ کے بہانے اسلامی عقیدے پر زیادتی کی حد تک نہ جائیں۔

[2] کسی مسلمان کو اسلام اور اس کی راہنمائی سے نکلنے یا مرتد ہو کر دیگر آسمانی یا غیر آسمانی ادیان میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، ایسا کرنے والا خواہ بنیادی طور پر مسلمان ہو یا مشرک یا کتابی ہونے کے بعد مسلمانوں کی جماعت

میں شامل ہوا ہو، ان دونوں صورتوں میں اس پر ارتداد کی حد نافذ کی جائے گی کیونکہ صحیح حدیث میں ہے۔

[مَن بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ]

''کہ جو شخص اپنا دین بدل لے اسے قتل کردو۔''

[3] دینی آزادی کی پریکٹس کے دائرے میں کسی غیر مسلم کو مسلمان پر کنٹرول کا جواز نہیں ہے جبکہ سیکولر قوانین میں انسانی حقوق کے عالمی اعلان کی سولہویں دفعہ کی پہلی شق کے مطابق عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بغیر کسی دینی پابندی یا شرط کے کسی بھی آدمی کے ساتھ شادی کرسکتی ہے۔ لیکن اسلام میں مسلمان عورت پر غیر مسلم کتابی یا غیر کتابی سے شادی کرنا حرام ہے اور اس طرح مسلمان مرد پر بھی حرام ہے کہ وہ غیر کتابی یا مشرک عورت سے شادی کرے، اس حکم کی تعمیل اللہ کی محکم کتاب میں ہے۔

﴿ وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُوا إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ [بقرہ : 221]

''اور مت نکاح کرو مشرک عورتوں سے حتی کہ وہ ایمان لے آئیں ا مومنہ لونڈی، مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں پسند ہی کیوں نہ ہو، اور تم مت نکاح کرو (اپنی عورتوں کا) مشرک مردوں سے حتی کہ وہ

ایمان لے آئیں اور مومن غلام بہتر ہے مشرک مرد سے اگر چہ وہ تمہیں پسند ہی کیوں نہ ہو (کیونکہ) وہ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کے لیے اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔"

دوسری جگہ فرمایا:

﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾

"نہ وہ عورتیں حلال ہیں ان کے لیے اور نہ وہ (مرد) حلال ہیں ان کے لیے۔"

(ح) ذاتی جائیداد کے ضابطے اور پابندیاں

اسلام نے افراد کے لیے ذاتی جائیداد کے حق کو تسلیم کیا ہے، لیکن اسے مطلقاً تسلیم نہیں کیا بلکہ اسے چند پابندیوں سے جکڑ دیا ہے جو معاشرے کی مصلحت کی ضامن ہیں۔ چنانچہ اس حق کے متعلق اسلام کا موقف صرف یہ نہیں کہ وہ اس کا پہرے دار ہے بلکہ ایک طرف اسلام نے اس کو تسلیم کیا اور اس کی حمایت کی ہے اور دوسری طرف سے اسے پابند اور منظم کر دیا ہے اور جن پابندیوں سے اسلام نے حق ملکیت کو جکڑ دیا ہے ان میں اہم یہ ہیں:

- **پیدائش کے اعتبار سے:** جائیداد شرعی طریقے سے پیدا کی گئی ہو، اگر وہ غیر شرعی طریقے سے پیدا کی گئی ہو تو اسلام اسے تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی اسے تحفظ دیتا ہے بلکہ وہ ایسی جائیداد کو سرمایہ دار کے ہاتھ سے چھین لینے اور اصل مالک کی طرف لوٹانے کا حکم دیتا ہے جیسے چوری شدہ یا غصب شدہ مال۔ اگر اس کا کوئی مالک نہ ہو تو وہ جائیداد بیت المال میں رکھی جائے گی۔
- **اضافے کے اعتبار سے:** اسلام نے جائز تصرفات کے ذریعے دولت کی راہوں

اور اس میں بڑھوتی کی حد بندی کی ہے اور باطل ذریعے سے دولت کی افزائش کو تسلیم نہیں کیا۔ مثلاً سود یا شراب اور منشیات یا جوا خانوں کے ذریعے بڑھائی گئی دولت۔

علاوہ ازیں اسلام نے معاشرے کی فلاح اور مصلحت کے لیے زکوٰۃ مشروع کی ہے اور وارثوں کے حق کو محفوظ رکھنے کے لیے حق ملکیت میں سے تیسرے حصے سے زائد مال کی وصیت کو ناجائز قرار دیا ہے (یعنی اس نے جائیداد کے مالک کے مشروع تصرف پر پابندی عائد کردی ہے کہ وہ اپنی جائیداد میں سے تیسرے حصے سے زائد مال کی وصیت نہیں کرسکتا۔)

- کھپت کے اعتبار سے: چنانچہ اسلام نے اسراف اور بخیلی سے ہٹ کر دولت کو اعتدال سے خرچ کرنے سے مقید کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴾ [الفرقان : 67]

"اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخیلی، اور اس کے درمیان قائم رہنے والے ہیں۔"

علاوہ ازیں اسلام نے دولت کو ان کاموں میں بھی خرچ کرنے پر پابندی لگا دی ہے جنہیں شریعت حرام قرار دے چکی ہے۔

اسلام نے مفاد عامہ کے لیے، جائیداد کے مالک سے اس کی جائیداد چھین لینے کے جواز کو عادلانہ معاوضے کی ادائیگی سے مقید کیا ہے جیسے شاہراہ عام کی توسیع کے لیے عادلانہ معاوضہ دیکر مالک زمین سے اس کی زمین کی ملکیت سلب کر لینا۔ (دیکھئے: أصول نظام الحكم في الإسلام)

تیسری فصل

سیکولر (لادینی) دستاویزات میں انسانی حقوق کا مضمون

❁ تمہید
❁ انسانی حقوق کے متعلق اہم بین الاقوامی دستاویزات
اول: انسانی حقوق کا عالمی اعلان
جن حالات میں انسانی حقوق کا عالمی اعلان نشر ہوا
دوم: اس اعلان کے علمبرداروں کے نکتہ نظر میں عالمی اعلان کے امتیازات
سوم: انسانی حقوق کے عالمی اعلان میں مندرجہ بنیادی اصول اور حقوق
چہارم: انسانی حقوق کے عالمی اعلان کی قانونی حیثیت
پنجم: انسانی حقوق کے عالمی اعلان پر بعض تحفظات

تمہید

انسانی حقوق کی سیکولر دستاویزات سے ہماری مرادوہ دستاویزات ہیں جنھیں انسان نے ناقص بشری اجتہادات کی بنیاد پر تیار کر کے پیش کیا ہے اور جب ہم نے تاریخی حوالے سے انسانی حقوق کا جائزہ پیش کیا تھا تو ان میں سے چند ایک

دستاویزات پر ہم نے گفتگو کی تھی اور اس وقت ہم نے کہا تھا کہ بعض ممالک نے انسانی حقوق کو اس وقت موضوع بحث بنایا اور ان کی تعین اور حمایت کی جب جان (John) کے دور میں یورپی جاگیرداروں نے بغاوت کردی تھی اور اس کا مضمون یہ تھا کہ بادشاہ اپنی رعایا کی شخصی آزادی اور ان کی پراپرٹی پر زیادتی سے باز رہے اور 1628ء میں اس چارٹر کے نقش پر حقوق کا ایک اور چارٹر منظر عام پر آیا اور اس کا مضمون، بادشاہ کے اختیارات پر پابندیوں کی توثیق اور اس بات کے انکار پر مشتمل تھا کہ وہ اپنے غیر قانونی حکم سے نہ تو کسی کو عہدے پر فائز کرسکتا ہے نہ اسے قید کرسکتا ہے اور نہ ہی اسے سزا دے سکتا ہے اور نہ ہی وہ کسی آدمی پر لشکر کشی کرسکتا ہے۔

علاوہ ازیں 1776ء انجمن اقوام متحدہ کے قیام پر بھی انسانی حقوق کا اعلان کیا گیا اور اس میں بیان کیا گیا تھا کہ ''تمام انسانوں کو ان کی ماؤں نے یکساں حیثیت سے آزاد جنا ہے۔'' اور اس میں صراحت سے انسانی حقوق کے سلسلے میں مساوات، آزادی، زندگی اور عزت نفس کا ذکر کیا گیا۔

اور فرانس میں 1789ء میں شہری اور انسانی حقوق کا اعلان نشر کیا گیا تھا اور اس کی پہلی دفعہ میں اس بات کا ذکر تھا کہ ''لوگ آزاد پیدا ہوئے ہیں اور وہ حقوق میں مساوی ہیں اور معاشرتی امتیازات صرف اور صرف عوامی مفادات کی بنیاد پر قائم کرنا لازمی ہے اور فرانسیسی اعلان میں چند انسانی حقوق کا ذکر کیا گیا، ان میں سے اہم حقوق یہ ہیں حق کا ذاتی ملکیت، سکیورٹی کا حق، ظلم اور استبداد کے مقابلے میں ڈٹ جانے کا حق۔

انسانی کوششیں، انسانی حقوق کی طرف اس وقت متوجہ ہوئیں جب 1945ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے انسانی حقوق کا عالمی اعلان صادر کیا گیا اور اس اعلان کے ساتھ انجمن اقوام متحدہ نے بہت سے انٹرنیشنل معاہدات نشر کیے جو

خصوصی طور پر بہت حد تک انسانی حقوق کے متعلق ہیں۔ چنانچہ ذیل میں انسانی حقوق کے متعلق انٹرنیشنل دستاویزات کا ذکر کیا جاتا ہے:

انسانی حقوق کے متعلق اہم انٹرنیشنل دستاویزات

[1] اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی حقوق کے متعلق بین الاقوامی معاہدہ

[2] سول اور سیاسی حقوق کے متعلق بین الاقوامی معاہدہ

[3] سول اور سیاسی حقوق کے بین الاقوامی معاہدہ کا آپشنل پروٹوکول

[4] نسل تباہ کرنے کے جرم کی سزا کے متعلق معاہدہ

[5] ہر طرح کے نسلی امتیاز کے ازالے کے متعلق بین الاقوامی معاہدہ

[6] پناہ گزینوں کی صورت حال کے متعلق معاہدہ

[7] غیر قانونی اقامت گزینوں کی صورتحال کے متعلق معاہدہ

[8] عورت کے سیاسی حقوق کے متعلق معاہدہ

[9] ایسے لوگوں کی حیثیت میں کمی کا معاہدہ جو قومیت کھو بیٹھے ہیں

[10] شادی شدہ عورت کی نیشنلٹی کے متعلق معاہدہ

[12] تعلیم و تربیت کی خاطر جسمانی سزا دینے کے متعلق بین الاقوامی معاہدہ

[13] غلامی اور غلاموں کی خرید و فروخت ختم کرنے کے متعلق معاہدہ

[14] جبری مشقت ختم کرنے کے خلاف معاہدہ

[15] روزگار اور ملازمت میں امتیاز کے متعلق معاہدہ

[16] تعلیم و تربیت میں امتیاز کے خلاف معاہدہ

یہ ہیں چند معاہدے جو اقوام متحدہ کی طرف سے جاری کیے گئے ہیں۔ انسانی حقوق کے متعلق ان بین الاقوامی معاہدوں کے علاوہ بھی کئی اور معاہدے

اور علاقائی یا لوکل دستاویزات پائی جاتی ہیں۔

اگر ہم انسانی حقوق کے متعلق تمام انسانی دستاویزات کا جائزہ لیں تو بات لمبی ہو جائے گی، لہٰذا اس فصل میں ہم (ان شاء اللہ) ان انسانی حقوق پر گفتگو کریں جو سیکولر دستاویز (اقرار نامہ) میں ذکر کیے گئے ہیں اور اس کا آغاز ان انسانی حقوق سے کریں گے جو 1948ء میں اقوام متحدہ کے عالمی اعلان میں صادر کیے گئے ہیں۔ (اور اس میں مندرجہ ذیل معاہدات کا ذکر ہوگا)

- سول اور سیاسی حقوق کے لیے بین الاقوامی معاہدہ۔
- اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی حقوق کے متعلق بین الاقوامی معاہدہ۔
- سول اور سیاسی حقوق کے متعلق انٹرنیشنل معاہدے سے ملحق الیکٹو پروٹوکول

اور طوالت کے خوف کے پیش نظر دوسری دفعہ پھر عرض کرتے ہیں کہ ہم سیاسی اور معاشرتی حقوق کے لیے انٹرنیشنل معاہدے میں ذکر ہونے والے بنیادی اصولوں کے تذکرے پر اکتفا کریں گے اور ہم سول و سیاسی حقوق کے لیے بین الاقوامی معاہدے اور اس سے ملحق الیکٹو پروٹوکول کے تناسب سے نفس مسئلہ پر بحث کریں گے۔

باقی رہی وہ بحث جو انسانی حقوق کے لیے عالمی اعلان کے متعلق ہے سو ہم اس کے پوائنٹس آف ویوز کا جائزہ لیں گے اور ان کی قانونی حیثیت پر مختلف نقطہ ہائے نظر بیان کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے متعلق تحفظات بھی بیان کریں گے اور ان شاء اللہ العزیز ہم اس فصل کو اسلام میں انسانی حقوق اور خود ساختہ دستاویزات میں انسانی حقوق کے درمیان موازنے پر ختم کریں گے تا کہ یہ بات آشکارا ہو جائے کہ اسلام میں انسانی حقوق، سیکولر دستاویزات میں ذکر کردہ حقوق انسانی سے بہت زیادہ فوقیت رکھتے ہیں۔

انسانی حقوق کا انٹرنیشنل ڈیکلریشن

[1] وہ حالات جن میں انسانی حقوق کا عالمی اعلان جاری ہوا

انسانی حقوق کے عالمی اعلان جاری کرنے کی سوچ جنگ عظیم دوم کے اختتام کے ساتھ ہی پیدا ہوئی اور اس وقت انجمن اقوام متحدہ کے قیام کے معاہدے پر دستخط ہو رہے تھے اور 1945ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے شہر سان فرانسیسکو میں کانفرنس ہو رہی تھی، چنانچہ اس کانفرنس کے ایک ممبر نے کانفرنس کے زیر اہتمام ایک ایسی کمیٹی کے قیام کی تجویز پیش کی جو انسان کی بنیادی آزادیوں اور اس کے حقوق پر مشتمل اعلان جاری کرے، اور باوجود اس کے کہ اس اعلان کی سوچ نے ذاتی حد تک کانفرنس کے ممبران سے داد تحسین وصول کی لیکن اس وقت کی غالب رائے ایسا اعلان جاری کرنے کی جرأت نہ کر سکی جو طویل مطالعے اور گہری ریسرچ کا متقاضی تھا، علاوہ ازیں اس کانفرنس کے ممبران نے دوسری طرف اس بات کا اظہار کیا کہ اقوام متحدہ کے معاہدے میں بعینہ وہ چیزیں موجود ہیں جو انسان کی بنیادی آزادیوں اور اس کے حقوق کی حفاظت کے لیے کافی ہیں لہٰذا وہ معاہدہ اس طرح کے دوسرے اعلان سے بے نیاز کر دیتا ہے اور پھر یہ پروگرام معاہدے کی دفعہ 68 میں موجود بھی ہے اور وہ صراحت کے ساتھ انسانی

حقوق کی حفاظت کے لیے کمیٹی قائم کرنے پر صاف صاف دلالت کر رہا ہے۔ بنا بریں وقتی طور پر اس تجویز سے توجہ ہٹادی گئی البتہ یہ ذہنوں میں لٹکی رہی اور منظر عام پر آنے کے لیے مناسب وقت کی منتظر رہی اور وہ مناسب وقت لیٹ نہ ہوا۔ چنانچہ 1946ء میں اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے اقتصادی اور معاشرتی کونسل کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، اور اس اجلاس کی ابتداء میں کونسل نے انسانی حقوق کی حفاظت کے لیے اس کمیٹی کے قیام کی قرارداد پاس کی جس کا اقوام متحدہ کے معاہدے میں ذکر تھا اور اقوام متحدہ کی استقبالیہ کمیٹی نے اس کے قیام کی سفارش کی تھی اور جونہی انسانی حقوق کی حفاظت کے لیے کمیٹی کا قیام عمل میں آیا تو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فوراً انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے خاص اعلان کے منصوبے پر عمل درآمد کرانے کے لیے ابتدائی خاکہ ترتیب دیا اور اس خاکے کی بنیاد پر مذکورہ کمیٹی نے 1947ء کے درمیان عالمی اعلان کے لیے قانونی مسودہ تیار کیا تاکہ اسے جنرل اسمبلی کے دوسرے اجلاس میں پیش کیا جائے۔

چنانچہ 1948ء میں بارلیس میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں انسانی حقوق کے عالمی اعلان کا بل پیش کرنے کا منصوبہ مکمل ہوا اور اس کی ہر ہر دفعہ پر بحث اور ترامیم کا مرحلہ پایا تکمیل کو پہنچا تو جنرل اسمبلی نے اسے اتفاق رائے سے پاس کر کے اس کا 10 دسمبر 1948ء میں باضابطہ اعلان کر دیا۔

2 انسانی حقوق کے علمبرداروں کے نقطہ نظر میں انٹرنیشنل ڈیکلریشن کے امتیازات (Point of View)[20]B

انسانی حقوق کے انٹرنیشنل ڈیکلریشن کے علمبرداروں کے نقطہ نظر میں یہ

ڈیکلریشن بہت سے امتیازات (Point of View) کا حامل ہے۔ ان میں اہم امتیازات یہ ہیں:

[1] اس ڈیکلریشن نے انسانی حقوق کو ہمہ گیر حیثیت عطا کی ہے اور اس کی بنیاد کو مستحکم کیا ہے اور وہ ہے عظمت انسان، جو مساوات کے اصول اور مختلف آزادیوں سے مستحکم کی گئی ہے۔

[2] اس ڈیکلریشن میں بیان کردہ اصولوں کو اقوام متحدہ کے بعض ممبر ممالک نے آئیڈیل قرار دیا ہے اور اس کی راہنمائی میں قانون سازی کرنی شروع کردی ہے اور آہستہ آہستہ اس پر عمل درآمد کرانا شروع کر دیا ہے۔

[3] انسانی حقوق کے بین الاقوامی اعلان کے علمبرداروں اور ان کے ہمنواؤں نے اس اعلان کو ماڈرن تہذیب کی عظیم کامیابی اور موجودہ مہذب دنیا کے سول، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کی چوٹی قرار دیا ہے۔

[4] اس ڈیکلریشن نے دنیا کے مختلف گوشوں میں اپنا اثر ظاہر کیا ہے اور یہ دنیا کی بہت سی حکومتوں اور بہت سے قومی قوانین کا سرچشمہ قرار پایا ہے اور اس طرح ایسے معاہدات کا بھی منبع قرار پایا ہے جو خاص طور پر انسانی حقوق کے متعلق ہیں۔

[5] اس ڈیکلریشن کے باضابطہ اعلان کے بعد اقوام متحدہ ایک نہایت مشکل کام کی طرف متوجہ ہوئیں اور وہ تھا ان اصولوں کو ٹرانسلیٹ کرنا جو ان دونوں کنونشنوں کے ڈیکلریشن میں بیان ہوئے تھے اور وہ تھے:

- شہری اور سیاسی حقوق کے لیے بین الاقوامی معاہدہ۔
- اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی حقوق کے لیے بین الاقوامی معاہدہ

[6] انٹرنیشنل ڈیکلریشن تیس دفعات سے مرتب ہوا ہے جیسا کہ ہم عنقریب بیان

کریں گے، اور یہ تمام تر سول اور سیاسی حقوق پر مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں اس میں اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق بھی بیان ہوئے ہیں۔

یہ ہے وہ سب کچھ جو انٹرنیشنل ڈیکلریشن نے انسانی حقوق سے متعلق مختلف تقلیدی نظریات سے اخذ کیا ہے اور یہ اٹھارویں، انیسویں اور بیسویں صدی کے اوائل میں صادر ہونے والے متنوع بنیادی قوانین اور دساتیر پر مشتمل ہے اور اس اعتبار سے یہ ڈیکلریشن فقط شہری اور سیاسی حقوق ہی نہیں بلکہ مختلف حقوق کا مسئلہ نپٹاتا ہے اور ان میں اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق داخل ہیں۔

[3] بنیادی اصول جو انسانی حقوق کے عالمی اعلان میں بیان ہوئے

انسانی حقوق کا عالمی اعلان (دو چیزوں پر) مشتمل ہے:

[1] دیباچہ (پیش لفظ)

[2] تیس دفعات جو مختلف شہری، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق پر مشتمل ہیں اور ذیل میں اقوام متحدہ کی طرف سے جاری کردہ انسانی حقوق کے عالمی اعلان کی اہم نصوص کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

انسانی حقوق کا عالمی اعلان

10/ دسمبر 1948ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کا عالمی اعلان پاس کر کے نشر کر دیا اور اس تاریخی واقعے کے بعد جنرل اسمبلی نے ممبر ممالک کو اس اعلان کا مطالعہ کرنے اور اس پر بحث کرنے اور اسے تقسیم کرنے اور اسے نشر کر کے اس پر عمل درآمد کرانے کی دعوت دی۔

دیباچہ...... (تمہید)

چونکہ انسانی فیملی کے تمام اراکین کے نزدیک پیدائشی آبرو کا حق تسلیم شدہ ہے اور دنیا میں آزادی، عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی بنیاد پر ان کے مستقل مساوی حقوق تسلیم شدہ ہیں

چونکہ انسانی حقوق کو نظر انداز کرنے اور انہیں حقیر سمجھنے کے عمل نے وحشیانہ افعال تک پہنچا کر انسانی ضمیر کو تکلیف سے دو چار کر دیا ہے اور عام انسانیت کا مقصد ایک معاشرے کو وجود میں لانا ہے جس میں انسان بولنے اور عقیدہ رکھنے کی آزادی سے لطف اندوز ہو اور وہ خوف اور فقر سے محفوظ رہے۔ اور چونکہ یہ بات ضروری ہے کہ انسانی حقوق کی حفاظت کا قانون نافذ ہوا ہے مبادا کہ آدمی مجبور ہو کر استبداد اور ظلم کے خلاف ہتھیار اٹھالے۔

- اور چونکہ اقوام متحد کے اراکین نے انسان کے بنیادی حقوق اور اس کی حیثیت کے سلسلے میں جدید معاہدے کی توثیق کی ہے اور اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے حقوق مساوی ہیں اور انہوں نے ٹھان لیا ہے کہ اجتماعی ترقی کے لئے قدم اٹھانا ہے اور آزادی کی فراخ اور کشادہ فضاؤں میں زندگی کے معیار کو بلند کرنا ہے اور چونکہ رکن ممالک نے اقوام متحدہ کے ساتھ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں اور ان کا احترام کرنے میں تعاون کی گارنٹی دی ہے اور چونکہ انہیں حقوق اور آزادیوں کی بڑی اہمیت کی بناء پر مکمل وفاداری کے ثمرات کا عام ادارک ہو گیا ہے لہٰذا جنرل اسمبلی، انسانی حقوق کا انٹرنیشنل ڈیکلریشن صادر کرتی ہے۔ چونکہ یہ ڈیکلریشن ایک مشترک معیار (Common- Standard) ہے اس

لئے تمام لوگوں اور قوموں کو چاہئے کہ وہ اسے نصب العین بنالیں۔ حتیٰ کہ معاشرے میں ہر انسان اور ہر ادارہ ممکن حد تک اس اعلان (Delaration) کو ہمیشہ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنے کی کوشش کرے اور تعلیم وتربیت اور قومی وبین الاقوامی سطح پر مسلسل کاروائیوں کے ذریعے ان حقوق اور آزادیوں کے احترام کو مستحکم کرے اور اسے ممبر ممالک کے اندر اور ان کے زیراہتمام اقوام کے علاقوں میں تسلیم کروانے اور انہیں مدنظر رکھنے کے لئے بین الاقوامی طرز کی تحریک چلائے۔

دفعہ [1]

تمام لوگ آزاد پیدا ہوئے ہیں اور وہ عزت وآبرو اور حقوق میں مساوی ہیں اور انہیں عقل اور ضمیر عطا کیا گیا ہے اور ان پر واجب ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ سپرٹ سے برتاؤ کریں۔

دفعہ [2]

ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ اس اعلان (Declaration) میں درج شدہ تمام حقوق اور آزادیوں سے بلاامتیاز مفاد حاصل کرے، امتیاز سے مراد نسل، رنگت، قوم، زبان، مذہب یا سیاسی یادیگر نظریات یا وطن، معاشرے یا دولت یا پیدائش کی تمیز وشناخت ہے۔ مذکورہ بالا امتیازات کے علاوہ بھی ایسی کوئی تمیز نہیں کی جائے گی جس کی بنیاد سیاسی یا قانونی یا اس ملک یا علاقے کی قومی حیثیت پر ہو جس کی طرف آدمی منسوب کیا جاتا ہے، خواہ اس ملک یا علاقے کی مستقل حیثیت ہو یا غیر مستقل یا اس کا اقتدار اعلیٰ کسی پابندی کے تابع ہو۔

دفعہ[3]

ہر شخص کو زندگی، آزادی اور اپنی سکیورٹی کا حق حاصل ہے۔

دفعہ[4]

کسی شخص کو غلام بنانا جائز نہیں اور کسی صورت میں بھی غلام بنانا یا غلامی کا کاروبار کرنا منع ہے۔

دفعہ[5]

کسی شخص کو عذاب کی بھٹی میں دھکیلنا یا اذیت سے دوچار کرنا، اور اس سے سنگدلانہ معاملہ کرنا یا اس کی آبرو کو گرانا جائز نہیں۔

دفعہ[6]

ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ جہاں کہیں ہو اپنی شخصیت کی قانونی شناخت تسلیم کرے۔

دفعہ[7]

قانون کے سامنے سب لوگ برابر ہیں اور انہیں حق حاصل ہے کہ وہ بغیر کسی تفریق کے مساوی حفاظت سے فائدہ اٹھائیں، علاوہ ازیں ان سب کو حق حاصل ہے کہ وہ خلل انداز ہونے والے امتیاز کے خلاف یا اس امتیاز کی ترغیب کے خلاف مساوی حمایت کی سپورٹ حاصل کریں۔

دفعہ[8]

ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ ایسے معاملات میں انصاف حاصل کرنے کے لیے قومی ٹربیونل میں پیش ہو، جو اسے قانون کی طرف سے عطا ہونے والے بنیادی حقوق پر زیادتی تصور ہوتے ہیں۔

دفعہ[9]

کسی انسان کو تشدد آمیز طریقے سے گرفتار کرنا یا قید کرنا یا جلا وطن کرنا جائز نہیں۔

دفعہ[10]

ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ مساوات تامہ کے اصول پر دوسرں کے ساتھ اس کے معاملے پر غور کرنے کے لیے صاف ستھرا مستقل ٹربیونل تشکیل دیا جائے جو اس کے حقوق اور واجبات اور اس کی طرف منسوب کی جانے والی کسی بھی تہمت پر کھلی کچہری میں منصفانہ غور کرے۔

دفعہ[11]

[1] ہر شخص کو اس وقت تک بے قصور سمجھا جائے گا جب تک اس پر الزام کو ایسی کھلی کچہری میں قانونی طور پر جرم ثابت نہ کر دیا جائے جس میں اسے اپنے دفاع کے لیے ضروری گارنٹیاں حاصل ہوں۔

[2] کسی شخص کو اس کے پیشہ اپنانے یا پیشہ نہ اپنانے کی وجہ سے گرفتار نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ اس کا یہ پیشہ وقت اختیار ملکی یا بین الاقوامی قانون کے مطابق جرم

ہو اور اس طرح اس کو اس کے جرم کی وہی سزا دی جائے گی جو بوقت ارتکاب جرم اس کی سزا تھی یعنی اس کی سزا بڑھائی نہیں جائے گی۔

دفعہ [12]

کسی شخص کو اس کی اپنی زندگی یا اپنے خاندان یا اپنے گھر یا اپنے مراسلات کے خصوصی معاملات میں پر تشدد مداخلت کا نشانہ نہ بنایا جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور شہرت کو داغدار کیا جائے۔ اس قسم کے معاملات میں ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ قانونی تحفظ حاصل کرے۔

دفعہ [13]

[1] ہر شخص کو نقل و حرکت کی آزادی حاصل ہے اور اسے ہر ملک کی حدود کے اندر رہائش کا اختیار حاصل ہے۔

[2] ہر فرد کو اپنے مسائل کی وجہ سے اپنا ملک چھوڑنے اور اس کی طرف لوٹنے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ [14]

[1] ہر شخص کو ظلم سے نجات حاصل کرنے اور آزادی سے زندگی بسر کرنے کے لیے دیگر ممالک میں پناہ حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔

[2] اس حق کے ذریعے کسی ایسے جرم کے خلاف استغاثہ نہیں کیا جائے گا جو واقعی طور پر غیر سیاسی ہو یا وہ ایسے اعمال سے متعلق ہو جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہو۔

دفعہ[15]

[1] ہر شخص کو ہر اعتبار سے اپنی نیشنلٹی (قومیت) سے لطف اندوز ہونے کا حق ہے۔
[2] کسی شخص کو پُر تشدد طریقے سے اس کی نیشنلٹی سے محروم کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اسے حق حاصل ہے کہ وہ اپنی نیشنلٹی بدلے۔

دفعہ[16]

[1] مرد اور عورت جب بلوغت کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں بغیر کسی نسلی، قومی، دینی پابندی کے شادی کرنے اور خاندان کی بنیاد رکھنے کا حق حاصل ہے اور شادی کے وقت اور شادی کے دوران اور طلاق کے وقت حقوق میں مساوی ہیں۔[21]
[2] طرفین کی مکمل اور بلا جبر وا کراہ رضا مندی کے بغیر شادی کا معاملہ طے کرنا جائز نہیں۔
[3] خاندان معاشرے کا قدرتی اور بنیادی گروپ ہے اور اسے معاشرے اور حکومت کے تحفظ سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ[17]

[1] ہر شخص کو ذاتی ملکیت یا دوسروں سے اشتراک کا حق حاصل ہے۔
[2] کسی شخص کو ظالمانہ طریقے سے اس کی ملکیت سے بے دخل کرنا جائز نہیں ہے۔

دفعہ[18]

ہر شخص کو نظریہ، وجدان، مذہب کے معاملے میں آزادی کا حق حاصل ہے اور

اس حق میں اسے دین بدلنے، اعتقاد بدلنے اور اپنے دین کا اظہار کرنے اور اپنے اعتقاد کے مطابق عبادت کرنے اور شعائر قائم کرنے اور پریکٹس کرنے اور پڑھنے پڑھانے کی آزادی بھی شامل ہے خواہ وہ یہ امور اکیلا سرانجام دے یا جماعت کے ساتھ، پرائیوٹ کرے یا پبلک کے سامنے۔[22]

دفعہ[19]

ہر شخص کو رائے اور بیان کی آزادی سے فائدہ حاصل کرنے کا حق ہے اور اس حق میں بغیر کسی طرح کی پریشانی کے نظریات اپنانے کی آزادی بھی شامل ہے اور اس حق میں خبریں تلاش کرنے اور اطلاعات وصول کرنے اور انہیں کسی بھی ذریعے سے دوسروں تک پہنچانے کی آزادی بھی شامل ہے اور اس معاملے میں جغرافیائی حدود کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ[20]

[1] ہر شخص کو امن پسند کمیٹیوں اور ایسوسی ایشنوں میں آزادی سے حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔

[2] کسی شخص کو کسی ایسوسی ایشن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

دفعہ[21]

[1] ہر انسان کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔

[2] ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ دیگر افراد کی طرح اپنے ملک کی پبلک سروس تک

رسائی حاصل کرے۔

دفعہ[22]

ہر شخص کو سوسائٹی کا ممبر ہونے کے ناطے سے سوشل سیکورٹی کا حق حاصل ہے اور اسے اس بات کا بھی حق ہے کہ وہ قومی محنت (National effort) اور بین الاقوامی تعاون کے ذریعے یا کسی بھی حکومت کی آرگنائزیشن کی موافقت اور وسائل سے اپنے اقتصادی اور معاشرتی اور ثقافتی حقوق حاصل کرے۔ کیونکہ اس کی عزت و آبرو اور اس کی شخصیت کی آزادانہ نشوونما اس کے بغیر ممکن نہیں۔

دفعہ[23]

[1] ہر شخص کو کام کرنے کا حق حاصل ہے اور اسے اس بات کی آزادی حاصل ہے کہ من پسند عادلانہ شرائط پر ملازمت کرے اور اسے بے کاری سے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

[2] ہر شخص کو بغیر کسی تمیز کے اپنی محنت کے برابر اجرت لینے کا حق حاصل ہے۔

[3] جو شخص کسی ڈیوٹی پر مامور ہو اور وہ بیمار ہو جائے تو اس کا حق بنتا ہے کہ ہمدردی کے طور پر اسے اتنی عادلانہ اجرت دی جائے جو اس کی اور اس کے اہل خانہ کی آبرومندانہ کفالت کے لیے کافی ہو اور یہ خدمت معاشرتی تحفظ کے وسائل سے انجام دی جائے گی۔

دفعہ[24]

ہر شخص کو تھکاوٹ کی وجہ سے ستانے اور فراغت کے اوقات میں آرام کرنے

کا حق حاصل ہے خصوصاً اوقات کار کی معقول طوالت کے موقعہ پر اور ہفتہ وارانہ تعطیلات کے موقع پر بمع تنخواہ۔

دفعہ [25]

[1] ہر شخص کو معیاری زندگی کا حق حاصل ہے جو اس کی صحت اور اس کی اور اس کے کنبے کی خوشحالی کے لیے کافی ہو اور یہ معیار خوراک، لباس، گھر، طبی دیکھ بھال اور اس طرح کے دیگر ضروری معاشی لوازمات پر مشتمل ہے اور اس کو حق حاصل ہے کہ وہ ممکنہ بے کاری، بیماری، درماندگی، بیوگی، بزرگی اور ان جیسے دیگر احوال کے پیش نظر اپنی معیشت کو محفوظ بنائے کیونکہ ان مواقع پر انسان کے ارادے کے برخلاف خارجی عوامل کی وجہ سے وسائل زندگی ناپید ہو جاتے ہیں۔

[2] ممتا اور بچپن کو سپیشل نگرانی اور معاونت کا حق حاصل ہے اور تمام بچے یکساں طور پر معاشرتی حفاظت میں خوشگوار پرورش پائیں گے خواہ ان کی ولادت باقاعدہ شادی کے ذریعے ہوئی ہو یا شادی کے بغیر۔

دفعہ [26]

[1] ہر شخص کو تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل ہے اور اس کی زندگی کے بنیادی اور ابتدائی مراحل میں اسے مفت تعلیم دینا واجب ہے، اس کی ایلیمنٹری ایجوکیشن لازمی ہے اور اس کی ٹیکنیکل اور پیشہ وارانہ تعلیم اور مساوات تامہ کے اصول پر میرٹ کے مطابق ہر ایک کو اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کرنے چاہئیں۔

[2] تعلیم وتربیت کا ٹارگٹ براہ راست یہ ہونا چاہیے کہ اس سے انسان کی پرسنلٹی کی تکمیل ہو اور انسانیت کے احترام اور بنیادی آزادیوں کی پاسداری مضبوط ہو

اوراس سے تمام قبائل کے درمیان مفاہمت، درگذر اور دوستی کوفروغ حاصل ہو اور نسلی و دینی جماعتوں کے درمیان رشتہ (اخوت) مضبوط ہو اور امن و امان قائم رکھنے کے سلسلے میں اقوام متحدہ کی کوشش میں ترقی ہو۔

[3] اولاد کی تعلیم و تربیت کی نوعیت منتخب کرنے کے سلسلے میں پہلا حق والدین کو حاصل ہے۔

دفعہ [27]

[1] ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ معاشرے کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ کردار ادا کرے اور آرٹ سے لطف اٹھائے اور علمی مسابقت میں حصہ لے اور اس کے نتائج سے استفادہ حاصل کرے۔

[2] ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی علمی، ادبی، فنی تخلیقات پر مشتمل ادبی اور مادی مفادات کا تحفظ کرے۔

دفعہ [28]

ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ انٹرنیشنل معاشرتی نظام کے تحت اس ڈیکلریشن میں ذکر کردہ حقوق اور آزادیوں سے اپنے مقاصد پورے کرے۔

دفعہ [29]

[1] ہر شخص پر اس معاشرے کی طرف سے جس میں اس کی شخصیت کو کامل نشوونما کی فرصت عطا کی گئی ہے، کچھ واجبات ہیں۔

[2] فرد کو اپنے حقوق اور آزادی کی پریکٹس کے سلسلے میں ان حدود کے تابع رہنا

چاہئے جو قانون نے مقرر کی ہیں تا کہ دوسرے کے حقوق اوران کی آزادیوں اور ان کے احترام کو تسلیم کرنے کی گارنٹی قائم رہے اور تا کہ جمہوری معاشرے میں جنرل نظام کے تحت منصفانہ اخلاق مستحکم ہوسکیں۔

[3] کسی بھی حالت میں ان حقوق کا استعمال ان مقاصد کے لئے نہیں کیا جائے گا جواقوام متحدہ کے مقاصد اوراس کے اصولوں کے منافی ہو۔

دفعہ [30]

اس ڈیکلریشن میں کوئی ایسی شق نہیں جس سے یہ مطلب اخذ کرنا جائز ہو کہ حکومت ، پارٹی یا انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ اس ڈیکلریشن میں درج شدہ حقوق اور آزادیوں کو منہدم کرنے کی غرض سے کوئی سرگرمی اورکام سرانجام دے سکتا ہے۔

یہ ہے انسانی حقوق کے بین الاقوامی اعلان میں ڈیکلر کردہ اصول اور حقوق کی اہم دفعات۔ ہم نے انہیں بطور تمہید اس لئے پیش کیا ہے کہ ہم اسلام میں انسانی حقوق اور انٹرنیشنل کنونشن میں متعین کردہ انسانی حقوق کے درمیان امتیازات اور تضادات کو نمایاں کرسکیں۔

[4] انسانی حقوق کے انٹرنیشنل ڈیکلریشن کی قانونی حیثیت

1948ء کے تصدیق شدہ انسانی حقوق کے انٹرنیشنل ڈیکلریشن کی قانونی حیثیت کے متعلق نظریات مختلف ہوگئے ہیں اوران نظریات میں سے اہم نظریات کی تلخیص درج ذیل ہے:

[1] پہلا نظریہ: اس نظریے کے حاملین یہ سمجھتے ہیں کہ انسانی حقوق کا عالمی اعلان اقوام متحدہ کے تمام رکن ممالک پر اس اعتبار سے قانونی طور پر نافذ ہے کہ وہ اقوام

متحدہ کے چارٹر کو مکمل کرنے والا ہے۔

[2] دوسرا نظریہ: اسے سابقہ سوویت یونین نے اختیار کیا ہے۔ اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی حقوق کا بین الاقوامی اعلان ملکوں کے اقتدار اعلیٰ کی بنیاد کے مخالف ہے اور اس حکم کے خلاف ہے جو اقوام متحدہ کے چارٹر کی دوسری دفعہ کے ساتویں پیراگراف میں درج ہے، کیونکہ وہ پیراگراف اقوام متحدہ کے ان اختیارات کو ان مسائل سے خارج کردیتا ہے جو ہر حکومت کے داخلی اقتدار کے دائرے میں آتے ہیں۔

[3] تیسرا نظریہ: یہ نظریہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے مسئلے کو اس اعتبار سے لیتا ہے کہ یہ مسئلہ مملکت کے داخلی دائرہ اختیار سے باہر ہوگیا ہے اور یہ بین الاقوامی رنگ حاصل کر کے اقوام متحدہ کے اختیار میں داخل ہوگیا ہے، کیونکہ یہ ان مسائل میں سے ہے جنہیں بین الاقوامی اہمیت حاصل ہوگئی ہے اور حکومتیں اپنی داخلی قانون سازی کے وقت اس کے اجراء کے سلسلے میں انسانی حقوق کے احترام کو واجب قرار دیتی ہیں۔

[4] چوتھا نظریہ: اس نظریے کے حاملین یہ کہتے ہیں کہ انسانی حقوق کے اس عالمی اعلان کی حیثیت محض ایک بیان کی سی ہے جو اقوام متحدہ کی طرف سے جاری کیا گیا ہے اور قانونی طور پر اس کی پابندی ضروری نہیں۔ اس اعلان کی لازمی حیثیت پر اختلاف رائے کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ یہ تو محض اقوام متحدہ کی آرگنائزیشن کا جاری کردہ بیان ہے اس آرگنائزیشن کے سامنے یہ امر لازمی ٹھہرا کہ وہ اپنے کام کی تکمیل کے لیے ورک کرے تاکہ اسے اس آرڈر کے نفاذ کے لیے بلا اختلاف رائے، قوت فراہم ہوسکے۔

اس مقصد کے لیے انسانی حقوق کی کمیٹی نے ڈیکلریشن کی دفعات کو ایسے بین الاقوامی معاہدوں کی شکل دینے پر زور دیا جو حکومتوں کے ہاں قابل قبول ہوں۔ چنانچہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے دو معاہدوں کے نفاذ کا اعلان کیا، ان میں سے ایک کا تعلق سول اور سیاسی حقوق سے تھا اور دوسرے کا تعلق اقتصادی اور معاشرتی اور ثقافتی حقوق سے تھا اور اس میں پہلے معاہدے سے متعلق ایک ضمیمہ بھی تھا۔[23]

چنانچہ طوالت کے خوف کے پیش نظر ہم ان معاہدوں میں ذکر ہونے والے بنیادی اصولوں کا جائزہ پیش کرنے پر اکتفاء کریں گے۔

❁ سول اور سیاسی حقوق کے معاہدے میں بیان شدہ بنیادی اصول:[23]A

سول اور سیاسی حقوق کے بین الاقوامی معاہدے پر دستخط کرنے والی مملکتیں اس بات کا عہد کرتی ہیں کہ وہ قانون کے ذریعے اپنی قوم کو سنگدلانہ اور غیر انسانی اور رسوا کن سلوک سے بچائیں گی اور زندگی و آزادی اور امن و سلامتی اور پرائیوٹ زندگی میں ہر فرد کا حق تسلیم کریں گی اور یہ معاہدہ غلامی کو ناجائز قرار دیتا ہے اور عادلانہ و منصفانہ ٹرائل میں حق رسی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اور لوگوں کو غیر قانونی حراست اور ظالمانہ پابندیوں سے بچاتا ہے اور ان کے آزادی فکر، آزادی ضمیر، آزادی مذہب اور آزادی رائے اور تعبیر کو تسلیم کرتا ہے اور انہیں امن کمیٹیاں قائم کرنے اور ہجرت کرنے اور دوسروں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا حق دیتا ہے۔

❁ اقتصادی و معاشرتی اور ثقافتی حقوق کے بین الاقوامی معاہدے میں ذکر شدہ بنیادی اصول:

اقتصادی ومعاشرتی اور ثقافتی حقوق کے معاہدے پر دستخط کرنے والی ریاستیں اپنی اقوام کے لیے بہترین معاشی احوال فراہم کرنے کی ذمہ داری قبول کرتی ہیں اور انہیں روزگار فراہم کرنے اور عادلانہ اجرت دینے اور معاشی تحفظ دینے اور معیارات زندگی جمع کرنے اور بھوک سے آزادی اور ان کی صحت اور تعلیم کا حق تسلیم کرتی ہیں۔ یہ ہیں سول اور سیاسی حقوق اور اقتصادی و معاشرتی اور ثقافتی حقوق اور قوم وافراد کے حقوق کے اہم نکات۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ اقوام اور افراد کے حقوق جو انجمن اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کے عالمی اعلان میں بیان ہوئے ہیں اور سول وسیاسی حقوق اور اقتصادی و معاشرتی اور ثقافتی حقوق کے دونوں بین الاقوامی معاہدوں میں ان کی تفصیلات سامنے آئی ہیں ان کے اہم عنوانات اجمالی طور پر درج ذیل ہیں:

[1] اقوام کو اپنی قسمت کے فیصلے کرنے اور دولت خرچ کرنے کا حق

[2] زندگی بسر کرنے کا حق

[3] قوم، نسل اور رنگ کا فرق کیے بغیر مساوات کا حق

[4] آزادی اور پرسنل سیفٹی کا حق اور ظالمانہ طریقے سے گرفتاری اور قید کی ممانعت

[5] انصاف کا حق

[6] سوچ وضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق

[7] نقل مکانی اور ملک چھوڑنے کا حق

[8] غیر قانونی باشندے کو ظالمانہ طریقے سے جلاوطن کرنے کی ممانعت

[9] انسانی معاملات میں قیدی کا حق

[10] سنگدلانہ سلوک یا سزا یا غیر انسانی اور رسوا کن عذاب کی ممانعت

[11] غلام بنانے اور غلام بنا کر رکھنے کی ممانعت

[12] نیشنلٹی اور قانونی حفاظت میں بچے کا حق

[13] روزگار اور معاشرتی ضمانتوں کا حق

[14] پبلک لائف میں شراکت کا حق

[15] قانونی تحفظ میں اقلیات کا حق

[16] روزگار اور روزگار کی عادلانہ شرائط کا حق

[17] سوشل سیکورٹی کا حق

[18] حفاظت اور نگرانی میں کنبے کا حق

[19] ولادت سے قبل اور بعد ماں کا خصوصی حق

[20] مناسب حفاظت میں بچے کا حق

[21] مناسب معیار زندگی میں انسان کا حق

[22] حفظان صحت کا حق

[23] تعلیم و تربیت کا حق

[5] 1948ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے نشر کردہ انسانی حقوق کے عالمی اعلان پر چند تحفظات

چند اسلامی ریاستوں نے، جن میں سعودی عرب سرفہرست ہے انسانی حقوق کے عالمی اعلان کے دو موضوعات پر تحفظات کا اظہار کیا ہے:

[1] یہ جو عالمی اعلان کی سولہویں دفعہ میں صادر ہوا ہے کہ جب مرد اور عورت شادی کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں بغیر کسی قومی یا مذہبی پابندی کے شادی کرنے اور

کنبے کی بنیاد رکھنے کا حق حاصل ہے، یہ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ اسلام کسی مسلمان عورت کو غیر مسلم سے شادی کی اجازت نہیں دیتا اور ہم اس سلسلے میں اسلام کے نقطہ نظر کو تفصیل کے ساتھ اس فصل میں بیان کریں گے جو اسلام میں انسانی حقوق کے متعلق پھیلائے گئے شبہات کے ازالے پر مشتمل ہے۔

[2] اور وہ جو عالمی اعلان کی اٹھارویں دفعہ میں اشارتاً صادر ہوا کہ (ہر شخص کو اپنا دین بدلنے کا حق حاصل ہے) اس دفعہ میں انسان کو اپنا دین بدلنے کا حق دینا، مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات سے ٹکراتا ہے، کیونکہ اسلام کسی مسلمان کو اپنا دین بدلنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ وہ اس عمل کو ارتداد قرار دیتا ہے اور اسلام نے اپنا دین بدلنے والے مسلمان پر حد مشروع کر دی ہے چنانچہ اسے تین مرتبہ توبہ کرنے کے لیے کہا جائے گا اگر وہ توبہ کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ قتل کر دیا جائے گا اور ہم (ان شاء اللہ) عنقریب اس موضوع پر اسلام کے نقطہ نظر کی وضاحت ان شبہات پر گفتگو کے وقت کریں گے جو اسلام میں انسانی حقوق کے متعلق پھیلائے جاتے ہیں۔

چوتھی فصل

اسلام میں انسانی حقوق اور بین الاقوامی اعلامیے کے درمیان موازنہ

اوّلاً: اوّلیت اور لزومیت کے اعتبار سے

ثانیاً: گہرائی اور آفاقیت کے اعتبار سے

ثالثاً: تحفظ اور گارنٹی کے اعتبار سے

اسلام میں انسانی حقوق اور بین الاقوامی اعلامیہ میں موازنہ

گذشتہ فصل میں ہم نے انسانی حقوق کے مفہوم، ان حقوق کی ڈویلپمنٹ اور اسلام میں ان کے مضمون اور سیکولر اعلامیات میں ان کے تذکرے پر گفتگو کی تھی اور اس فصل میں ہم (ان شاء اللہ) اسلام میں انسانی حقوق اور بین الاقوامی اعلامیے کے درمیان موازنہ کریں گے اور اس سلسلے میں ہم بین الاقوامی اعلامیات کی ان دفعات پر اکتفا کریں گے جو انسانی حقوق کے عالمی اعلان سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ اقوام متحدہ کی طرف سے 1948ء میں جاری کردہ یہ اعلان، انسانی حقوق کے متعلق عقل انسانی کی رسائی کی معراج تصور کیا جاتا ہے اور انسانی حقوق سے تعلق رکھنے والے دیگر تمام بین الاقوامی یا علاقائی اعلامیے اس اعلان کو اپنے

لیے حوالہ (Reference) سمجھتے ہیں۔ مزید براں ہم طوالت کے خوف سے اس موازنے میں تین موضوعات پر اکتفا کریں گے۔

اولاً: انسانی حقوق کی حد بندی اور ضروریات کے سلسلے میں قدامت کے اعتبار سے۔

ثانیاً: گہرائی اور آفاقیت کے اعتبار سے۔

ثالثاً: حفاظت اور ضمانتوں کے اعتبار سے۔

اولاً: اوّلیت اور لزومیت (Binding) کے اعتبار سے اسلام اور سیکولر اعلامیات میں انسانی حقوق کا موازنہ

گزشتہ مباحث میں ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ اسلام میں انسانی حقوق چودہ صدیاں قبل ظہور اسلام کے ساتھ ہی معرض وجود میں آ چکے ہیں اور حضرت رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں انسانی حقوق کا اوّلین اعلامیہ صادر فرمایا جبکہ انسانی حقوق کا قدیم سیکولر اعلامیہ تیرہویں صدی عیسوی 1215ء میں نشر ہوا (یعنی اس اعلامیے سے تقریبا ساڑھے چھ صدیاں قبل) جیسا کہ ہم انسانی حقوق میں ارتقاء پر گفتگو کے سلسلے میں بیان کر آئے ہیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آفتاب نیمروز کی طرح روشن شریعت اسلامیہ کو انسانی حقوق کی بنیاد رکھنے اور انہیں نشر کرنے کے سلسلے میں تمام بین الاقوامی اعلامیات و اعلانات اور معاہدات پر چودہ صدیوں سے زائد عرصہ قبل، اسبقیت حاصل ہے اور انسانی حقوق کے متعلق جو کچھ تذکرہ بین الاقوامی ڈیکلریشن اور ذیلی معاہدات میں آیا ہے یا اس سے قبل انجمن اقوام متحدہ نے انہیں صادر کیا ہے تو یہ جزوی طور پر انہی حقوق کی صدائے بازگشت ہے جن کی شریعت اسلامیہ غرا

نے نشو ونما کی تھی۔

انسان کے شہری اور سیاسی اور اقتصادی اور معاشرتی اور ثقافتی حقوق کا اعلان کرنے میں اسلام کو بلاشبہ (اسبقیت) حاصل ہے اور اسلام نے فرد کے بنیادی حقوق کی حفاظت اور معاشرے کی مصلحت کے درمیان توازن قائم کردیا ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ادراک ہر اس آدمی کو کرنا چاہیے جو اسلام اور اس کے پیغام اور اس کے دیگر ربانی قوانین کے متعلق بصیرت اور بصارت رکھتا ہے۔
مزید برآں یہ قوانین جن سے ماڈرن تہذیب آشنا ہوئی اور اپنی تمام انجمنوں اور آرگنائزیشنوں اور ذیلی تنظیموں کے ذریعے انہیں متعارف کروایا ہے ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ظلوم وجہول انسان کا کارنامہ ہے کیونکہ اس انسان نے ریسرچ اور قانون سازی وشریعت سازی شروع کردی اور اس بات کو بھول گیا یا بھلا دیا گیا کہ اس انسان کا ایک رب ہے جو خالق اور باخبر ہے اس نے اس کے لیے شریعت نازل فرمائی ہے اور اس نے اس کے تمام احوال اور ماحول کو مدنظر رکھ کر اس کے مسائل کو حل کرنے کے لیے قوانین وضع کیے ہیں اور اس نے یہ سب کچھ اپنی کتاب عزیز میں رکھا ہے جسے اس نے حق کے ساتھ نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل وانصاف کو قائم کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ ﴾ [الاسراء : 9]

''بے شک یہ قرآن اس راہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سیدھی اور مستقیم ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴾ [سورہ اسراء :9]

"جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ نہ ہی گمراہ ہوگا اور نہ ہی بد بخت ہوگا۔"

دوسری جگہ فرمایا:

﴿مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ﴾ [طٰه : 124,123]

"اور جس نے میری یاد سے منہ پھیر لیا تو ہم اس کی گذران تنگ کردیں گے۔"

انسانی حقوق، جیسا کہ اسلام انہیں لے کر آیا ہے، اصلی اور ابدی حقوق ہیں یہ نہ تو حذف قبول کرتے ہیں اور نہ ہی ترمیم و تنسیخ اور التواء کو، یہ حقوق ملزوم ہیں انہیں اللہ سبحانہ وتعالٰی نے مشروع فرمایا ہے۔ کسی بشر کو، خواہ وہ کوئی بھی ہو، یہ حق نہیں کہ وہ انہیں ملتوی کرے یا انہیں پامال کرے، اور نہ ان کا ذاتی تحفظ ساقط ہوسکتا ہے، نہ تو کسی فرد کے ادارے سے کہ وہ ان سے دست بردار ہو رہا ہے اور نہ انسٹی ٹیوشنز کی صورت میں معاشرے کے ارادے سے، خواہ ان کا مزاج کیسا ہی کیوں نہ ہو اور مقتدر ادارے انہیں کیسا ہی خیال کیوں نہ کرتے ہوں۔ باقی رہی یہ بات کہ انسانی حقوق کے عالمی اعلان کی قانونی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا وہ کمپلسری (Compalsory) ہیں یا نہیں؟ سو اس کے متعلق گذارشات پیش ہوچکی ہیں اور اس موضوع پر ہم چند آراء پیش کر چکے ہیں اور ہم نے وضاحت کردی ہے کہ انسانی حقوق کا عالمی اعلان تو محض ایک بیان یا اقرار نامہ ہے جو اقوام متحدہ کی طرف سے جاری کیا گیا ہے اور یہ کمپلسری (Compalsory) نہیں ہے۔

اسی طرح گذشتہ بحث سے واضح ہوگیا کہ بین الاقوامی معاہدات میں انسانی حقوق یا تو فقط سفارشات ہیں یا اخلاقی احکام ہیں جبکہ اسلام میں انسانی حقوق سے مراد وہ فرائض ہیں جنہیں پہنچنے کے لیے عمل درآمد کی گارنٹی فراہم کی گئی ہے

اور وہ محض سفارشات یا اخلاقی احکام نہیں ہیں۔ اس بنا پر اسلام میں پبلک اتھارٹی کو اس فریضے کے جبری نفاذ کا حق حاصل ہے [24] اور اسلام کا یہ نقطہ نظر ان حقوق کے اس مفہوم کے خلاف ہے جو بین الاقوامی معاہدات میں مذکور ہے اور وہ انہیں ایسا شخصی حق سمجھتے ہیں کہ اگر صاحب حق، اپنے حق سے دست بردار ہو جائے تو اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔

ثانیاً: گہرائی اور آفاقیت کے اعتبار سے

اسلام میں انسانی حقوق، ان انسانی حقوق سے کہیں زیادہ گہرے اور ہمہ گیر ہیں جو سیکولر معاہدات میں مذکور ہیں۔

چنانچہ اسلام میں انسانی حقوق کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور بین الاقوامی قوانین اور معاہدات میں ان حقوق کا سرچشمہ، انسان کی ذہنی اختراع ہے اور انسان عمومی طور پر درستگی کی بنسبت غلطیاں زیادہ کرتے ہیں اور اپنے بشری مزاج کی بنا پر (جذبات سے) متاثر بھی ہوتے ہیں کیونکہ وہ کمزور اور ناپختہ ہوتے ہیں اور معاملات کے ادراک اور اشیاء کے احاطہ سے عاجز ہوتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں کو علم کے اعتبار سے گھیر رکھا ہے۔ اسلام میں انسانی حقوق تقدیس کے درجے تک پہنچا جاتے ہیں اور وہ اس مرتبے تک رسائی حاصل کرنے کے لیے چند مراحل سے گذرتے ہیں۔ چنانچہ (اسلام میں انسانی) حقوق مقرر اور مستقل ہیں اور پھر واجبات کے ذریعے ان کی حیثیت مضبوط کی گئی ہے اور واجبات کے بعد حدود کے ذریعے ان کی حفاظت کی گئی ہے اور حدود کے بعد وہ حرمات کے درجے تک پہنچ جاتے ہیں (Sacredness) اور اگر سیکولر

دستاویزات بعض حقوق پر مشتمل ہیں تو اسلام اپنے، قرآن و سنت جیسے دوسر چشموں کی بدولت حقوق کی ان تمام اقسام پر مشتمل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو نوازا ہے۔

اسلام میں انسانی حقوق کی گہرائی اور آفاقیت پر مزید روشنی ڈالنے اور اس میدان میں اسلامی شریعت کی سیکولر معاہدات پر فوقیت بیان کرنے کی غرض سے ہم اسلام میں انسانی حقوق اور عالمی اعلان میں انسانی حقوق کا سرسری جائزہ پیش کرتے ہیں۔

[1] انسان کا احترام

اقوام متحدہ کی طرف سے 1948ء میں جاری کردہ اعلان میں انسان کی عزت و تکریم پر زور دیا گیا ہے جبکہ اسلام اس میدان میں چودہ صدیوں سے زائد عرصہ قبل سبقت لے چکا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنی محکم کتاب عزیز میں فرمایا ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴾ [الاسراء : 70]

”اور بلاشبہ ہم نے آدم کے بیٹوں کو عزت بخشی اور انہیں خشکی (صحراء) اور تری (سمندر) میں سواری مہیا کی اور انہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا اور انہیں اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا کی۔“

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان بھی انسان کی تکریم سے متعلق ہے کہ اس نے آدمی کی تذلیل، تحقیر کرنے اور اس کا مذاق اڑانے سے اور اسے ایسا لقب دینے سے روک دیا ہے جو باعث ناراضگی ہو، فرمان الٰہی ہے:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴾ [حجرات : 11]

''اے اہل ایمان ! تم میں سے کوئی قوم کسی دوسری قوم کے لوگوں کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے وہ ان (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ ہی کسی قوم کی عورتیں دوسری قوم کی عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ ان (مذاق اڑانے والیوں) سے بہتر ہوں اور نہ ہی آپس میں ایک دوسرے پر عیب دھرو اور نہ آپس میں ایک دوسرے کو بُرے لقب دے کر چڑاؤ، ایمان قبول کرنے کے بعد کسی کو برا نام دینا بری بات ہے اور جو لوگ (ایسا کرنے سے) توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فضل بھی انسان کی تکریم و بزرگی سے متعلق ہے کہ اس نے انسان کو بہترین قالب میں پیدا کیا ہے اور اسے خوبصورت بنایا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴾ [التغابن : 53]

''اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور خوب اچھی بنائیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا انسان پر یہ احسان بھی ہے کہ اس نے اسے اور اس کے چہرے کو عزت بخشی کہ اسے مستوی القامت بنایا تا کہ وہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکے اور نہ ہی اس کے علاوہ کسی کی عبادت کرے اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی قسم کا

شرک کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾[انعام:163]

''کہہ دیجئے، بے شک میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو کائنات کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ بھی عزت بخشی ہے کہ اس نے انسان کی عبادت اپنے لیے خاص کی ہے لہٰذا اللہ واحد قہار کی بندگی کے علاوہ کسی کی بندگی جائز نہیں۔ قرآن میں ہے:

﴿ وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ﴾ [الاسراء : 23]

''اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ [الفاتحہ : 4]

''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔''

اور یہ بات بھی اللہ کی طرف سے انسان کی عزت وتکریم سے تعلق رکھتی ہے کہ اس نے اسے فقط اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴾ [ذاریات : 56]

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو فقط اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری

عبادت کریں۔"

اور یہ بات بھی اللہ کی طرف سے، انسان کی عزت وتکریم سے تعلق رکھتی ہے کہ اس نے ہر ایسی بات سے روک دیا ہے جو انسان کی عزت کو داغدار کرے مثلاً چغلی، غیبت اور ان کے علاوہ دیگر اقوال وافعال جو انسان کی ہتک عزت کا باعث ہوں اور ان گناہوں کا اِقْتِرَاف (ارتکاب) کرنے والا انسان حقیر قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ○ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴾

[حجرات : 13,12]

"اے ایمان والو! تم بدگمانی سے کافی حد تک بچتے رہا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور نہ تو جاسوسی کرو اور نہ باہم ایک دوسرے کی غیبت کرو۔ بھلا تم میں کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے چنانچہ تم اس فعل کو بُرا سمجھتے ہو اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اے لوگو بے شک ہم نے تم کو ایک نر اور مادہ سے پیدا کیا ہے اور تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائی ہیں تا کہ تم باہم ایک دوسرے سے تعارف کرو۔ بلاشبہ تم میں سے اللہ کے ہاں عزت دار وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہو بے شک اللہ جاننے والا خبر رکھنے والا

ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴾ [الهمزه : 1]

"خرابی ہے ہر عیب جو اور طعنہ زن کے لیے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ○ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ○ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴾ [القلم : 12,10]

"اور ہر قسمیں کھانے والے گھٹیا شخص کی بات نہ مانئے، جو اشارے کرتا ہے اور چغل خوری کرتا پھرتا ہے، بھلے کاموں سے روکتا ہے، وہ حد سے بڑھا ہوا گنہگار ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴾ [الاسراء : 36]

"اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے کوئی علم نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل سے اس بات کے متعلق باز پرس ہوگی۔"

یہ ہے قرآن میں مذکور احترام انسانیت جسے اللہ تعالیٰ نے انسانی حقوق کے عالمی اعلان سے چودہ صدیاں قبل لازم ٹھہرایا جبکہ انٹرنیشنل ڈیکلریشن نے چودہ صدیاں بعد اسی اعلان کو اپنے پہلے آرٹیکل میں دھرایا کہ:

"تمام لوگ آزاد پیدا کیے گئے ہیں اور وہ احترام اور حقوق میں برابر ہیں۔"

[2] مساوات اور عدم امتیاز

انجمن اقوام متحدہ کی طرف سے 1948ء میں جاری ہونے والے انسانی حقوق کے بین الاقوامی اعلان نے اپنے تیسرے آرٹیکل میں مساوات کے متعلق بیان کیا ہے کہ: ''ہر انسان کو بغیر کسی طرح کے نسلی یا قومی یا لسانی یا مذہبی امتیاز یا رنگ کے اختلاف کے، اس اعلان میں بیان ہونے والے تمام حقوق اور آزادیوں سے مستفید ہونے کا حق حاصل ہے۔''

جبکہ اسلامی شریعت نے عالمی اعلان سے چودہ صدیاں قبل عمدہ ترین انداز میں تمام لوگوں کے درمیان مساوات قائم کردی تھی اور عالمی اعلان نے تو محض مساوات برتنے کی سفارش کی ہے جبکہ اسلامی شریعت نے مساوات کو ایسے شرعی فریضے کے طور پر بیان کیا ہے جس کا نفاذ لازمی ہے۔ چنانچہ اسلامی شریعت نے تمام لوگوں کے لیے مساوات، ان کی بنیاد اور ان کی نسل اور انسانی حیثیت سے ہٹ کر متعین کی ہے کہ کسی عربی کو کسی غیر عرب پر ماسوا تقویٰ و پرہیز گاری کے کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ [حجرات : 13]

''کہ اے لوگو بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور برادریاں بنائی ہیں تا کہ تم باہم ایک دوسرے سے تعارف کرسکو بے شک تم میں اللہ کے ہاں عزت دار وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ﴾ [النساء : 1]

''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان جس میں اس نے لوگوں کو بنی آدم کے لفظ سے مخاطب کیا ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴾ [اعراف : 26]

''اے آدم کی اولاد ہم نے تم پر لباس نازل فرمایا اور زینت اور پرہیز گاری کا لباس (جس میں عورت کا بدن نظر نہ آئے اور مرد کے ٹخنوں سے نیچے نہ ہو) وہ بہتر ہے یہ اللہ کی قدرتیں ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ [اعراف : 31]

''اے اولاد آدم تم زینت اختیار کرو، ہر مسجد میں (نماز کے وقت) اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو

پسند نہیں کرتا۔"

اور اس کا یہ حکم بھی ہے:

﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ [یٰسین : 60]

"اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہ لے رکھا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

ان آیات کریمہ میں بنی آدم کے لفظ سے خطاب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب، مساوات کے طور پر تمام لوگوں سے ہے اور حضرت رسول کریم ﷺ، اسلام میں مساوات کے اصول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

[يا يُّهَاالنَّاسُ إنَّ رَبَّكُم وَاحِدٌ كُلُّكُم لِآدَمَ وَ آدَمُ مِن تُرَابٍ إنَّ أكرَمَكُمْ عِندَاللهِ أتقَاكُم وَلَيسَ لِعَرَبِيٍّ عَلى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحمَرَ عَلى أبيَضَ وَلَا لِأَبيَضَ عَلى اَحمَرَ فَضلٌ اِلَّا بِالتَقوىٰ ألَا هَلْ بَلَّغتُ؟ اللّٰهُمَّ فَاشهَداً فَلْيُبَلِّغ الشَّاهِدُ مِنكُم الْغَائِبَ] [خطبہ حجۃ الوداع]

"اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے بنا تھا، تم میں سے اللہ کے ہاں بہتر وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو، اور کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی سرخ رنگ کو سفید رنگ پر، اور کسی سفید رنگ کو کسی سرخ رنگ پر ماسوا تقویٰ کے کسی طرح کی

فضیلت حاصل نہیں ہے، آگاہ رہو کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے؟ اے اللہ گواہ ہو جا، تم میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ غیر موجود لوگوں کو یہ بات پہنچا دیں۔"

اور لوگوں کے درمیان حدود الٰہی مقرر کرنے کے معاملے میں حضرت رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ:

[إنّما أهلكَ الذّينَ مِن قَبلِكُم إنّهُم كَانُوا إذَا سَرَقَ الشّرِيفُ تَرَكُوهُ وَ إذَا سَرَقَ الضّعِيفُ أقَامُوا عَلَيهِ الحَدَّ، وَاللهِ لَوْ أنَّ فاطمة بنت محمد سَرَقَتْ لَقَطَعتُ يَدَهَا] [بخاری ومسلم]

"بلاشبہ تم سے پہلے والے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی بااثر آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو وہ اس پر حد نافذ کر دیتے، اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کر لیتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"

اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی مساوات کو مستحکم کرنے کے معاملے میں حضرت رسول کریم ﷺ کے منہج پر چلتے رہے چنانچہ جب حضرت ابوبکر منصب خلافت پر فائز ہوئے تو انہوں نے بیعت کے بعد پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا:

[أيها الناس إنه والله مافيكم أحد أقوى عندى من الضعيف حتى آخذ الحق له، ولا أضعف من القوى حتى آخذ الحق منه]

"اے لوگو! بات یہ ہے کہ اللہ کی قسم تم میں سے کوئی آدمی میرے نزدیک طاقتور نہیں ہے حتیٰ کہ میں اس سے کمزور آدمی کا حق دلوا نہ لوں اور نہ

کوئی آدمی میرے نزدیک کمزور ہے حتیٰ کہ میں طاقتور سے اس کا حق وصول نہ کرلوں۔"

یہ ہے اسلام میں مساوات کی پوزیشن اور اسلام میں، یہ عام لوگوں کے درمیان متعین بھی ہو چکی ہے اور حضرت رسول کریم ﷺ کے دور سے لے کر صدیوں تک نافذ رہی ہے اور اس کے بعد بھی اسلامی حکومت کے روشن ادوار میں اس کا تصور موجود رہا ہے جبکہ سیکولر معاہدات اور خود ساختہ قوانین میں مساوات کی یہ صورت موجود نہیں ہے اور بہت سے قدیم وجدید انسانی قوانین نے اس مساوات کی بہت سی شقوں کو عجیب وغریب قرار دیا ہے۔

[3] منقولہ وغیر منقولہ جائیداد میں انسان کا حق

دیکھئے انسانی حقوق کے عالمی اعلان نے بیسویں صدی کے نصف اول میں انسان کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد پر اس کا حق تسلیم کیا ہے جبکہ اسلام نے چودہ صدیاں قبل انسان کی پراپرٹی اور اس کے مال ومتاع پر قبضے کو حرام کرار دیا ہے اور اس کے ان حقوق کی حفاظت کی ضمانتیں فراہم کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [نساء : 29]

"اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مالوں کو ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔"

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے مال ناجائز طریقے سے کھانے کی وجہ سے کافروں کو دردناک عذاب کی دھمکی بھی دی ہے اور اس فعل کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ [نساء : 161]

''اور بسبب ان کے سود لینے کے اور وہ اسے روک بھی دیئے گئے تھے، اور بسبب لوگوں کے مال ناجائز طریقے سے ہڑپ کر لینے کے (ان پر طیبات حرام کر دیئے گئے) اور ہم نے ان میں سے کافروں کے لیے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

اور یہاں اموال سے وہ وسیع مفہوم مراد لیا جائے گا جو انسان کی عمومی اور خصوصی مملوکات پر مشتمل ہو خواہ وہ نقدی ہو یا منقولہ جائیداد ہو یا جاگیر وغیرہ۔

حضرت رسول کریم ﷺ نے مال کی حرمت کو جان کی حرمت سے ملا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

[إِنَّ دِمَاءَ كُم وَ أموَ الَكُم عَلَيكُم حَرَامٌ إِلىٰ أن تَلقُوا رَبَّكُم]

[الجامع الصغير، ج ا، رقم: 6271]

''بے شک تمہارے خون اور تمہارے اموال ایک دوسرے پر حرام ہیں یہاں تک کہ تم اپنے رب کی ملاقات کرو۔''

اور فقہاء کرام نے ملکیت کے قاعدے کی تائید کرتے ہوئے مندرجہ ذیل دو کلیے مقرر کیے ہیں۔[25]

[1] کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ بغیر کسی شرعی سبب کے کسی کے مال پر قبضہ کرے۔

[2] کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کی ملکیت میں بلا اجازت تصرف کرے۔

انسان کی بزرگی اور مساوات اور حق ملکیت اور مال کی حرمت کے عالمی اعلان میں انسانی حقوق کے موازنے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں انسانی حقوق کس قدر گہرے اور واجب ہیں! باقی رہی حقوق کی نوعیت اور ان کی ہمہ جہتی

کی بات سو ہم پر واجب ہے کہ ہم کتاب وسنت کے حوالے سے اسلام میں انسانی حقوق کی وہ شقیں بیان کریں جن کی طرف انسانی حقوق کے عالمی اعلان نے توجہ ہی نہیں کی اور نہ ہی ان کا ذکر کیا ہے اور انسانی حقوق کے عالمی اعلان کے کار پردازان حقوق سے غافل رہے ہیں یا دانستہ تغافل کا شکار ہو گئے ہیں چنانچہ ذیل میں ان میں چند اہم حقوق مختصراً بیان کئے جاتے ہیں۔

[1] یتیموں کے حقوق

انسانی حقوق کے عالمی اعلان نے، جو اقوام متحدہ کی طرف سے 1948ء میں صادر ہوا ہے، اس نے پچیسویں دفعہ کے دوسرے فقرے میں صراحت کے ساتھ بچے کے حق معاونت اور نگہداشت کا تذکرہ کیا ہے۔

جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے یتیموں کے معاملے میں امتیازی اور خصوصی دلچسپی لی ہے۔ اس نے بہت سی آیات میں ان کے لئے خصوصی اہتمام کرنے اور ان کی نگہداشت اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور ان کے مال پر دست درازی کرنے کو حرام ٹھہرا کر عذاب کی دھمکی دی ہے اور ان کے ساتھ ہر ممکن طریقے سے احسان کرنے کی تاکید کی ہے اور ان کے ساتھ بُرا سلوک کرنے پر اللہ کے غضب سے ڈرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ [البقرہ : 220]

"اور وہ تجھ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے ان کی اصلاح

کرنا بہتر ہے اور اگر تم ان سے خرچ ملا لو، تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ فساد کرنے والے کو اصلاح کرنے والے سے خوب جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے (یہ بھی) فرمایا:

﴿وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِیْرًا﴾[النسا: 2]

"اور تم یتیموں کا مال ان کے سپرد کرو اور ردی چیز کو عمدہ چیز سے نہ بدلو اور نہ ہی ان کے مالوں کو اپنے مال میں ملا کر کھاؤ بے شک یہ بڑا وبال ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے (یہ بھی) فرمایا:

﴿وَ ابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَ لَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا وَ مَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا﴾

[النساء : 3]

"اور تم یتیموں کو سدھارتے رہا کرو یہاں تک کہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان میں سمجھ داری معلوم کرو تو ان کے مال انہیں واپس کر دو اور اس گھبراہٹ میں ان کا مال اڑا کر نہ کھاؤ کہ کہیں وہ بڑے نہ ہو جائیں اور جو کوئی تم میں سے غنی ہو وہ بچاؤ اختیار کرے اور جو کوئی محتاج ہو وہ دستور کے موافق کھالے پھر جب تم ان کے مال انہیں واپس کرو تو اس پر گواہ بنا لو اور اللہ کافی ہے حساب رکھنے والا۔"

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ﴾ [النساء: 10]

”بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھا لیتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب وہ دہکتی ہوئی آگ میں جلیں گے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے (یہ بھی) فرمایا:

﴿ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰى یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ﴾

[انعام:152]

”اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو اچھا ہو حتی کہ وہ جوانی کی عمر کو پہنچ جائیں۔“

اور اللہ تعالیٰ نے (یہ بھی) فرمایا:

﴿ وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِیْمًا ﴾ [نساء : 127]

”اور یہ کہ تم یتیموں کے معاملے میں انصاف پر قائم رہو اور تم جس قدر بھی بھلائی کرو گے بے شک اللہ تعالیٰ اسے جاننے والا ہے۔“

[2] ضعیف العقل لوگوں کا حق نگہداشت

قرآن کریم نے عقل کے اعتبار سے پسماندہ لوگوں کی نگہداشت میں بڑی دلچسپی لی ہے اور ان کے لیے خصوصی قسم کی نگہداشت اور اہتمام کا مضبوط سسٹم قائم کر دیا ہے اور لوگوں کو ان سے حسن معاملہ کی ترغیب دلائی ہے اور ان کا مذاق

اڑانے یا ان کے ساتھ بُرا سلوک کرنے کی ندمت کی ہے اور ان کی روٹی اور کپڑے کا اہتمام کرنے کی فضیلت بیان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴾ [النساء : 5]

''اور تم ضعیف العقل لوگوں کو اپنا وہ مال نہ دو جسے اللہ نے تمھارے لیے سہارا بنایا ہے اور انھیں اس سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور انھیں اس مال کے سلسلے میں معقول بات کہو۔''

[3] حق وراثت

انسانی حقوق کے سیکولر معاہدات جن میں سر فہرست انجمن اقوام متحدہ کا 1948ء میں جاری کردہ انسانی حقوق کا عالمی اعلان ہے، نے جن حقوق سے غفلت برتی ہے یا وہ ان سے غافل رہے ہیں وہ حق وراثت ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا ڈیکلریشن نے اس کے متعلق مکمل طور پر غفلت سے کام لیا ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے اس حق کو عمدہ ترین شکل میں مقرر کیا ہے۔

اسلام نے انسان کا اس ترکے میں حق وراثت مقرر کیا ہے جو اس کے مورث نے وراثت کے اسباب کی بنا پر اس کے لیے چھوڑا ہے چنانچہ اس مورث کی موت کے بعد اس کی تجہیز وتکفین اور اس کے ذمہ قرض کی ادائیگی اور اس کی وصیت کے نفاذ کے بعد اگر کچھ مال بچ گیا تو اس کے وارثوں کی طرف لوٹ آئے گا اور ان کے درمیان ان حصوں کے مطابق تقسیم کی جائے گا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی

کتاب اور اس کے رسول ﷺ نے اپنی سنت میں مقرر کیے ہیں۔

اسلام نے وراثت کے ایسے قوانین مقرر کیے ہیں جو عادلانہ بنیاد پر قائم ہیں اور اس رواج کو باطل قرار دیا جس پر لوگ قبل از اسلام عمل پیرا تھے اور وہ یہ تھا کہ عورتوں اور بچوں کو محروم رکھنا اور صرف مردوں کو وراثت میں حصہ دینا۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے:

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴾ [النساء : 7]

''مردوں کے لیے حصہ ہے اس مال سے جو چھوڑا والدین اور قریبی رشتہ داروں نے۔ اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس مال سے جو چھوڑا والدین اور قریبی رشتہ داروں نے اس چیز سے جو کم ہے یا زیادہ حصہ مقرر کیا گیا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں وراثت کے حصے بیان فرمائے ہیں اور اس کے متعلق سورۃ نساء میں فرمایا:

﴿ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾ [النساء : 11]

"اللہ تمہیں، تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے پس اگر (میت کی وارث) فقط دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں تو ان کے لیے (ترکہ سے) دو تہائی حصہ ہے اور اگر (اس کی وارث) ایک بیٹی ہو تو اس کے لیے نصف ہے اور متوفی کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس صورت میں چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو تو، اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ناں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے (ترکہ سے) تیسرا حصہ ہے اگر اس کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے (یہ تقسیم) متوفی کی وصیت کی تعمیل یا اس کے قرض کی ادائیگی کے بعد عمل میں لائی جائے گی۔"

اور اللہ تعالیٰ کا (یہ بھی) فرمان ہے:

﴿ وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴾ [النساء : 12]

"اور تمہارے لیے تمہاری بیویوں کے ترکے سے نصف حصہ ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو تو، اگر ان کی اولاد ہو تو تمہارے لیے ان کی وصیت پر عمل

در آمد یا ان کے ذمہ قرض کی ادائیگی کے بعد، چوتھائی حصہ ہے اور ان کے لیے تمہارے ترکے سے چوتھا حصہ ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو، اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کے لیے تمہارے ترکے سے آٹھواں حصہ ہے اور یہ تقسیم تمہاری کی گئی وصیت کی تعمیل یا تمہارے ذمہ قرض کی ادائیگی کے بعد عمل میں لائی جائے گی۔ اور اگر کسی آدمی کا ترکہ ہے اور وہ باپ یا بیٹا نہیں رکھتا یا وہ عورت ہے اور اس کا کوئی بھائی یا بہن ہے تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اور اگر زیادہ ہوں تو وہ ایک تہائی میں حصہ دار ہیں اس وصیت کے بعد جو ہو چکی ہو یا قرض کے بعد، جو نقصان کی خاطر نہ کی گئی ہو۔ یہ وصیت ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے (یہ بھی) فرمایا ہے:

﴿ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَّلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ [النساء: 176]

"وہ تم سے سوال کرتے ہیں کہہ دیجئے اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے کہ اگر کوئی آدمی ہلاک ہو گیا اور اس کی اولاد نہیں اور اس کی بہن ہے تو اس کے لیے میت کے ترکے سے نصف حصہ ہے اور وہ مرد بھی اس صورت میں اپنی بہن کا وارث ہے اگر اس کی اولاد نہ ہو، اگر بہنیں دو ہوں تو ان کے لیے اس کے ترکے سے دو تہائی ہے اور اگر بھائی اور بہنیں

زیادہ ہیں تو مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ اللہ بیان کرتا ہے تمہارے لیے کہ کہیں تم بھول نہ جاؤ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے (یہ بھی) فرمایا:

﴿ وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴾ [نساء : 33]

"اور ہم نے ہر ایک کے لیے وارث بنائے ہیں اس چیز کے جو کچھ چھوڑا ان کے والدین اور قریبی رشتہ داروں نے اور وہ جن سے تم نے قرار کیا لہٰذا دو ان کو ان کا حصہ، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔"

علاوہ ازیں قرآن کریم نے حق وراثت پر زور دیا ہے اور سنت نبویہ نے بہت سی احادیث میں اس کی تاکید کی ہے۔ چنانچہ حضرت رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

[الحقوا الفرائض باهلها فما بقي فلا ولي رجل ذكر] [متفق علیہ]

"کہ میت کی متروکہ جائیداد اس کے وارثوں سے ملاؤ اگر پھر بھی کچھ بچ جائے تو اس کے قریبی مرد وارث کے لیے ہے۔"

اور آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے:

[إن الله قد اعطىٰ كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث] [ابوداود]

"بلاشبہ اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے لہٰذا وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔"

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے وراثت میں ہر انسان کا حق واجب کر دیا ہے اور

اسے تمامتر جزئیات سے ترتیب دے دیا ہے اور اللہ نے ہر ایک وارث کا حق مقرر کردیا ہے۔

یہ ہے وہ انسانی حق جس سے انسانی حقوق کے بین الاقوامی پالیسی ساز غافل رہے ہیں یا انہوں نے غفلت برتی ہے اور انسانی حقوق کے تمام بین الاقوامی قوانین اور معاہدات میں اسے نظر انداز کیا گیا ہے۔

[4] اپنی ذات کے دفاع کا حق

اقوام متحدہ کی طرف سے 1948ء میں جاری کردہ بین الاقوامی اعلان نے جن حقوق سے غفلت برتی ہے ان میں جان سے دفاع کا حق بھی ہے جبکہ اسلام نے اس حق کو چودہ صدیاں قبل مشروع فرمایا ہے۔ چنانچہ بہت سی آیات اور احادیث نبویہ، عمومی طور پر حملہ آوروں کے خلاف دفاع کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں اور ان کی زیادتی کو روکنے کی کیفیت اور اپنے حقوق کا دفاع کرنے والوں کے مقام پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [بقرہ : 194]

"اور جو کوئی تم پر زیادتی کرے سو تم بھی اس پر اس قدر زیادتی کرو جس قدر اس نے تم پر زیادتی کی اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے (یہ بھی) ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ○ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴾ [شوریٰ : 40,39]

"اور وہ لوگ کہ جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اسی طرح کی برائی ہے سو جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ پر ہے بے شک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور البتہ جو کوئی اپنے اوپر کیے گئے ظلم کا بدلہ لے لے تو ایسے لوگوں پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ کا (یہ بھی) ارشاد ہے:

﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ [انفال : 60]

"اور ان کے (مقابلے) کے لیے جس قدر بھی تم سے ہو سکے، قوت تیار رکھو اور گھوڑے کس کر رکھو تا کہ تم اس تیاری کے ساتھ اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے۔"

اور اپنی جان سے دفاع کے دلائل میں سے حدیث رسول کے یہ الفاظ ہیں:

[مَن قُتِلَ دُونَ دِينِهٖ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَن قُتِلَ دُونَ دَمِهٖ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَن قُتِلَ دُونَ مَالِهٖ فَهُوَ شهيد وَمَن قُتِلَ دُونَ اهلِهٖ فَهُوَ شَهِيد] [ابوداود]

"کہ جو کوئی اپنے دین کے بچاؤ کی خاطر قتل کیا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے خون کے بچاؤ کی خاطر قتل کیا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے مال کے بچاؤ کی خاطر مارا گیا وہ شہید ہے اور جو کوئی اپنے حرم (بیوی) کی حفاظت

کی خاطر مارا گیا وہ شہید ہے۔"

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے جان سے دفاع کا حق اس صورت میں مشروع فرمایا ہے جب آدمی یقینی خطرے سے دوچار ہوجائے اور یہ ایسا حق ہے جس سے انسانی حقوق کے عالمی اعلان کے پالیسی ساز غافل رہے ہیں۔

[5] معافی کا حق

معاف کردینا انسان کے ان اہم حقوق میں داخل ہے جنہیں اسلام نے مشروع فرمایا ہے اور انسانی حقوق کے عالمی اعلان کے ذمہ داروں نے اسے نظر انداز کردیا ہے یا وہ اس سے غافل رہے ہیں۔ اسلام نے افراد اور سوسائٹیز کو شر یا شریروں کے سامنے ہتھیار ڈالے بغیر درگزر اور معافی کی دعوت دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اچھے طریقے کے ساتھ دشمنی کو ٹالنے اور درگزر کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے اور برائی و زیادتی کے سامنے سرنڈر کیے بغیر۔ چنانچہ قرآن کریم کی متعدد آیات نے معافی اور درگزر کی ترغیب دلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴾ [فصلت : 34]

"نیکی اور بدی برابر نہیں ہوسکتیں تم اس چیز سے دفاع کرو جو افضل ہے (اس کا نتیجہ یہ ہوگا) کہ وہی شخص کہ تیرے اور اس کے درمیان عداوت ہے گویا وہ تیرا گہرا دوست ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴾ [حجر : 85]

''پس اچھی طرح درگزر کیجیے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے (یہ بھی) فرمایا:

﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [انعام: 54]

''تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحمت کو واجب کر رکھا ہے لہٰذا جو کوئی شخص تم میں سے جہالت کی بنا پر برا فعل کر بیٹھے پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنے آپ کو سنوارے تو یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے (یہ بھی) فرمایا:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ [اعراف : 199]

''آپ بُردباری سے کام لیں اور نیکی کا حکم کرتے رہیں اور جاہلوں سے اعراض کریں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے (یہ بھی) فرمایا:

﴿ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴾ [نحل : 126]

''اور اگر تم بدلہ لو تو ایسا ہی سلوک کرو جیسا تمہارے ساتھ کیا گیا اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے (یہ بھی) فرمایا:

﴿ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [تغابن : 14]

''اور تم معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

علاوہ ازیں جس طرح قرآن نے معافی کی ترغیب دی ہے اس طرح حدیث نبوی نے بھی اس کی ترغیب دی ہے چنانچہ ترمذی شریف میں ابو کبشہ انماری سے اور ابوداؤد میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

[ثَلَاثَةٌ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ وَلَوْ کُنْتُ حَلَّافاً لَحَلَفْتُ عَلَیْھِنَّ مَانَقَصَ مِنْ مَالٍ صَدَقَةٌ فَتَصَدَّقُوا، وَلَا عَفَا رَجُلٌ عَنْ مَظْلَمَةٍ یَبْتَغِیْ بِھَا وَجْهَ اللّٰہِ اِلَّا زَادَہُ اللّٰہُ بِھَا عِزًّا یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَتَحَ رَجُلٌ عَلٰی نَفْسِہٖ بَابَ مَسْئَالَةٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْہِ بَابَ فَقْرٍ]

''کہ تین چیزیں ہیں اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں قسم اٹھانے والا ہوتا تو ان پر قسم اٹھا دیتا۔ (لوگو) صدقہ مال سے کچھ بھی کم نہیں کرتا لہٰذا صدقہ کرو اور جس کسی آدمی نے کسی زیادتی پر اللہ کی خوشنودی کی خاطر درگزر کیا تو اللہ ضرور قیامت کے دن اس کی عزت زیادہ کرے گا اور کوئی مرد یا عورت اپنی ذات پر سوال کا دروازہ کھول لیتا ہے تو اللہ یقیناً اس پر تنگدستی کا دروازہ کھول دے گا۔''

اور اس سلسلے میں حضرت ابوہریرہ کے حوالے سے حضرت رسول کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ اے رب کریم تیرا کون سا بندہ تیرے ہاں زیادہ عزت مند ہے؟

فرمایا: وہ شخص جو اس وقت معاف کرے جب وہ قدرت پا چکا ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے انسان کو معاف کرنے کا حق بھی عطا کیا ہے

سیکولر قوانین اور ان کی دستاویزات اس حق سے غافل رہیں یا انہوں نے جان بوجھ کر غفلت برتی ان میں سرفہرست انسانی حقوق کا عالمی اعلان ہے اور اس کے ضمنی معاہدے بھی۔

سوم: اسلام میں انسانی حقوق کی حفاظت اور ضمانتوں کا بین الاقوامی معاہدات سے موازنہ

تیسرا نقطہ جو اسلام میں انسانی حقوق اور 1948ء میں اقوام متحدہ کے صادر کردہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی اعلان کی شکل میں انٹرنیشنل معاہدوں کے درمیان موازنے سے تعلق رکھتا ہے وہ انسانی حقوق کی حفاظت اور ان کی ضمانتوں کے سلسلے میں ہے۔قبل اس کے کہ ہم اسلام میں انسانی حقوق کی حفاظت اور ان کی ضمانتوں پر گفتگو کریں، ہم پر واجب ہے کہ ہم اس بات کی طرف بھی اشارہ کریں کہ سیکولر قوانین میں انسانی حقوق کی حفاظت کے لیے ایسی ضمانتیں وضع نہیں کی گئیں جو ان کو پامالی سے بچانے کے لیے لازمی تھیں۔

بلاشبہ آج کی دنیا ایسے دور میں زندگی بسر کر رہی ہے جسے حقوق انسانی کے تکوینی دور کا نام دیا جاسکتا ہے اور انسانی حقوق کا مسئلہ وسیع پھیلاؤ والا موضوع بن گیا ہے اور اس نے تمام سرکاری وغیر سرکاری وسائل کے ذریعے روز افزوں اہمیت حاصل کر لی ہے، لیکن پھر بھی یہ سوال اپنے جواب کا متقاضی ہے کہ کیا کسی پہلو سے کوئی ایسی ضمانتیں ہیں جو انسانی حقوق کے احترام کو واجب قرار دیتی ہیں اور انہیں پامالی سے بچاتی ہیں؟

بلاشبہ اس سوال کا صحیح جواب تقاضا کرتا ہے کہ ہم انسانی حقوق کے عالمی

اعلان کی دفعات کی طرف رجوع کریں، بعد ازاں ہم انسانی حقوق کی حفاظت کے بہانے سے ایک ملک کے دوسرے ملک کے معاملات میں دخل اندازی کے حق پر بحث کریں گے۔

چنانچہ انسانی حقوق کے عالمی اعلان کے مواد کی طرف رجوع کرنے سے ہمیں یہ چیز نظر آتی ہے کہ 1948ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے انسانی حقوق کے سلسلے میں صادر کردہ عالمی اعلان نے انسانی حقوق پر زیادتی کو روکنے کے لیے ذرائع اور حفاظتی اقدامات مرتب نہیں کیے اور خاص طور پر یہ ذرائع اور حفاظتی اقدامات عالمی معیار کے ہونے چاہیں تھے۔ چنانچہ میں اہم مبہم عبارت کی مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جو مندرجہ ذیل چیز کو لازم ٹھہراتی ہے کہ:

ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ بین الاقوامی معاشرتی نظام کے اس ڈیکلریشن کی دفعہ (28) میں ڈکلیئر کردہ حقوق اور آزادیوں سے فائدہ اٹھائے اور ان سے اپنے مقصد کی برآری کو یقینی بنائے۔

علاوہ ازیں یہ ڈیکلریشن اپنی عبارت کی غلط ترجمانی اور اس سے پہلو تہی کرنے پر (ایک عدد) وارننگ پر بھی مشتمل ہے لیکن اس وارننگ کی خلاف ورزی پر سزا کا کوئی ذکر نہیں، کیونکہ اس وارننگ کی عبارت اس طرح ہے:

"Nothing in this declaration may be in terpreted implying for any state, group or person any right to engage in any activity or to perform any act aimed at the destruction of any of the rights and freedoms set forth here in "

''اس ڈیکلریشن میں کوئی ایسی عبارت نہیں ہے کہ جس سے یہ مطلب اخذ

کرنا جائز ہو کہ کسی ملک اور کسی پارٹی یا فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ اس ڈیکلریشن میں درج شدہ حقوق اور آزادیوں کو منہدم کرنے کی غرض سے کوئی سرگرمی یا کوئی فعل سرانجام دے سکتا ہے۔

اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 1944ء میں شہری اور سیاسی حقوق کے متعلق بین الاقوامی سمجھوتے سے موافقت کی اور اس اضافی پروٹوکول پر بھی اطمینان کا اظہار کیا جو اس کے ساتھ ملایا گیا تھا اور اس کا تعلق اس شکایت سے تھا جو فرد کی جانب سے اس وقت پیش کی جاتی ہے جب اس کے ان حقوق پر زد پڑتی ہے جو اس معاہدے میں مذکور ہیں۔"

مزید برآں یہ معاہدہ اپنی چوتھی فصل کے آرٹیکل (28 و مابعد) میں انسانی حقوق کے اٹھارہ رکنی کمیشن کے قیام پر مشتمل ہے، اور اس کمیشن کا کام یہ ہے کہ وہ ممبر ممالک کی رپورٹوں کا مطالعہ کرے اور اس معاہدے میں مذکورہ حقوق کو کنفرم کر کے ان کی حفاظت کے طریق کار کی رپورٹ پیش کرے۔

اس طرح وہ ان شکایات کو بھی وصول کرے جو معاہدے میں شریک ممالک آپس میں ایک دوسرے کے خلاف پیش کریں کہ وہ ایک دوسرے کے معاملات میں دخل انداز ہو کر معاہدے کی پابندیوں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور یہ معاملہ چند مقررہ شرائط کے ساتھ ہوگا اور کمیشن فریق ممالک کے ہاں قابل قبول شاندار خدمات بروئے کار لائے گا تاکہ وہ متنازعہ اُمور کے دوستانہ حل تک پہنچ جائے یا اگر متنازعہ مسئلے کا حل مشکل نظر آئے تو وہ ایک رپورٹ پیش کرے جو متعلقہ ممالک تک بھیجی جاسکے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تنازعہ ایک سپیشل کمیشن کی طرف ریفر کر دیا جائے تاکہ وہ متعلقہ ممالک کی پیشگی رضا مندی کی بنا پر مصالحت

کی صورت پیدا کرے اور وہ کمیشن اقتصادی اور معاشرتی کونسل کی وساطت سے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اپنی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کرے (دیکھئے دفعہ 45)

باقی رہا آپشنل پروٹوکول، جو سول اور سیاسی حقوق کے بین الاقوامی معاہدے کے ساتھ ملحق ہے (اس کے مطابق) جو ملک پسند کرتا ہے کہ وہ اس میں فریق بنے تو وہ تسلیم کرے کہ انسانی حقوق کا کمیشن اس بات کا اختیار رکھتا ہے کہ وہ ان ممالک کی شکایات وصول کرے جو اس کی ولایت کے تابع ہیں اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس معاہدے میں متعین کردہ حقوق کے سلسلے میں اس ملک کی خلاف ورزیوں کا نشانہ ہیں۔

اور ان شکایات کا مطالعہ اور کمیشن اپنے اجتماعات کا انعقاد خفیہ طریقے سے کرے گا اور اپنا نکتہ نظر متعلقہ مملکت اور متعلقہ فریقوں کی طرف بھیجے گا اور اس طرح متعلقہ شخص کی طرف بھی ارسال کرے گا۔

گزشتہ بحث سے واضح ہوگیا کہ انسانی حقوق کے عالمی اعلان کی صورت میں بین الاقوامی معاہدوں اور ان کے ساتھ ملحقہ بین الاقوامی سمجھوتوں نے انسانی حقوق کی حفاظت کے لیے لازمی اور ناگزیر ضمانتیں فراہم نہیں کیں۔ علاوہ ازیں اس نے کسی ملک کو دوسرے ملک کے معاملات میں، انسانی حقوق کی حفاظت کے بہانے، ٹانگ اڑانے کا حق بھی نہیں دیا، لیکن ان سب معاہدوں کے باوجود اب ہم دیکھتے ہیں کہ بعض ملک انسانی حقوق کی حفاظت کے بہانے دوسرے ملک کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جب وہ فوجی اعتبار سے دخل اندازی نہیں کر سکتے تو وہ بیانات اور قرارداد ہائے مذمت کے ذریعے اس حکومت کے خلاف بین الاقوامی رائے عامہ کو بھڑکانے کا سلسلہ شروع کر دیتے

ہیں جس میں (ان کے خیال میں) انسانی حقوق پامال ہو رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی دخل اندازی سے انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں رُک سکتی، کیونکہ اس طرح کے اعلانات اور بیانات ہمیشہ متحکم حکومت کی طرف سے سرکاری تردید سے ٹکرا جاتے ہیں یا آخری چارہ کے طور پر یہ کہہ کر مسترد کردیئے جاتے ہیں کہ یہ اس کے داخلی معاملات میں دخل اندازی ہے اور اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔[26]

اس کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق کے دفاع اور ان کی حفاظت کا یہ اسلوب، ریاستوں کے درمیان تعلقات مربوط کرنے کا قوی ترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ عملی تجربات سے آشکارا ہوتا ہے کہ یہ اسلوب اسی وقت استعمال کیا جاتا ہے جب متعلقہ ریاستوں کے درمیان تعلقات خراب ہوجاتے ہیں چنانچہ اس صورت میں یہ اسلوب اس ریاست کی مذمت اور بدنامی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاستیں اس اسلوب کو استعمال تو کرتی ہیں، لیکن اس اعتبار سے نہیں کہ اس سے انسانی حقوق کی حفاظت ہو اور نہ ہی اس سے مطلوبہ مقصد حاصل ہوتا ہے بلکہ یہ تو دوسری حکومت پر دباؤ بڑھانے کے لیے ہوتا ہے۔

اسی لیے جب متعلقہ ریاستوں کے درمیان تعلقات اچھے ہوتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک ریاست، دوسری ریاست کی بدنامی کی تلافی کرتی ہے تاکہ ان دونوں کے درمیان قائم ہونے والے پاکیزہ تعلقات خراب نہ ہوں اگرچہ اس کی قیمت انسانی حقوق کی خلاف ورزی سے چشم پوشی کی صورت میں ہی کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ (حوالہ مذکور)

خلاصہ یہ ہے کہ جب ہم انسانی حقوق کی بین الاقوامی حفاظت کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ان کی کوششیں عمل درآمد کی حد تک نہیں پہنچیں اور یہ کوششیں دو بنیادوں پر قائم ہیں۔

[1] تمام ریاستوں کے درمیان تسلیم شدہ مشترک بنیاد پر معاہدے کی کوشش۔

[2] جو ریاست انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرتی ہے اسے سزا دینے کے لیے اس پر جرمانہ عائد کرنے کے سلسلے میں قانون سازی کرنا۔

بلاشبہ انسان کے بنائے ہوئے انسانی حقوق میں تحفظ اور ضمانت کا فقدان ہے۔ چنانچہ ہر وہ معاہدہ جو اقوام متحدہ اور اداروں اور انجمنوں کی طرف سے انسانی حقوق کے سلسلے میں صادر ہوا ہے اسے سفارشات کے لیبل پر محمول کیا جائے گا اور اس کی حیثیت کاغذ پر سیاہی سے بڑھ کر کچھ نہیں اور اس کے مرتبین پر جب کبھی نفسانیت اور خواہشات کا غلبہ ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ جبکہ اِنسانی حقوق کا اصلی تحفظ اور ان کی اصلی ضمانتیں، اسلام میں ہی موجود ہیں۔

اسلام میں انسانی حقوق کا تحفظ اور ضمانتیں

اسلام میں حقوق کا سرچشمہ اسلامی عقیدہ ہے اور وہ اسلامی نظام کا روحانی ڈھانچہ ہے اور وہ اس کی تمام مبادیات (norms) اور تعلیمات میں منعکس ہے

(دیکھئے: اصول نظام الحکم فی الاسلام، مولفہ فواد عبدالمنعم)

اسلام کے عقیدے میں انسان اللہ کی ساری مخلوق سے افضل ہے اور اللہ کے ہاں سب سے زیادہ بزرگی والا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ [بنی اسرائیل : 70]

''اور ہم نے آدم کے بیٹوں کو عزت بخشی اور انہیں خشکی اور تری میں اٹھایا اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور انہیں اپنی پیدا کی ہوئی بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا کی۔''

اور اس فضیلت کی بنا پر اسے ایسے مقررہ اور پائیدار حقوق عطا فرمائے جن کے ساتھ ایک اعتبار سے اس کی فضیلت، باقی مخلوقات پر فعلی طور پر ثابت ہوگئی اور اسے وسیع معنی کے ساتھ اپنی عبادت پر جو کہ تخلیق کا اصل مقصد ہے، قدرت بخشی۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [ذاریات : 56]

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں حقوق، عطیہ الٰہی ہیں اور مخلوق کی طرف سے اپنے جیسی مخلوق کے لیے تحفہ نہیں ہیں کہ جب چاہے احسان کر دے اور جب چاہے چھین لے۔ بلکہ یہ تو ایسے حقوق ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کے مطابق مقرر کیا ہے لہٰذا یہ دائمی ہیں۔ اور انسانی حقوق کے عطیہ الٰہی ہونے پر چند نتائج مترتب ہوتے ہیں۔ ان میں اہم یہ ہیں:

[1] یہ حقوق خاصی حد تک ہیبت، احترام ار تقدس کے مرتبے سے مالا مال ہیں اور اس اعتبار سے گارنٹڈ (Gurranted) ہیں کہ حکام کی طرف سے ان پر دست درازی نہیں ہوسکتی، کیونکہ حاکم یا افراد کی طرف سے ان پر شب خون مارنا، اللہ تعالیٰ کی شریعت سے خروج قرار دیا جاتا ہے اور جو حاکم اپنے اقتدار میں ان پر

شب خون مارتا رہے گا وہ اپنے اقتدار کی شرعی بنیاد کھو بیٹھے گا۔

[2] حقوق کو عطیہ خداوندی کی حیثیت دینا انہیں ایسا سانچہ اور رنگ عطا کر دیتا ہے کہ ان کا احترام دل کے اندر سے پھوٹنا شروع ہو جاتا ہے اور اس اللہ پر ایمان کی وجہ سے جس نے یہ حقوق مشروع فرمائے ہیں، ایسا معاملہ قائم ہو جاتا ہے جس سے ان کی پابندی کی ضمانت یقینی ہو جاتی ہے اور ان کی پابندیوں کو توڑنے کی طاقت کے باوجود انہیں نہ توڑنا یقینی ہو جاتا ہے۔ (ص: 48، الخصائص العامة للاسلام، یوسف، قرضاوی)

[3] انسانی حقوق خداوندی عطیہ ہونے کے اعتبار سے تنسیخ یا التواء کے متحمل نہیں ہوتے، کیونکہ ان حقوق کا منسوخ ہونا یا ملتوی ہونا وحی کا محتاج ہے اور حضرت رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد وحی کا نزول بند ہو گیا ہے۔

[4] یہ افراط اور تفریط سے خالی ہوتے ہیں افراط تو جماعت کی مصلحت کے حساب سے افراد کے حقوق میں ہوتا ہے اور تفریط، حکومت کی مصلحت کی وجہ سے افراد کے حقوق میں ہوتی ہے۔ جب کہ ان حقوق کا عطا کرنے والا، اللہ تعالیٰ ہے اس نے خود ہی اپنی مہربانی سے یہ حقوق مشروع فرمائے ہیں، افراد نے مشروع نہیں فرمائے کہ وہ ان میں غلو کریں اور نہ سٹیٹ نے مشروع کئے ہیں کہ وہ افراد کے حساب سے اپنی سلطنت میں حقوق بڑھا لے۔ (حوالہ مذکور)

واقعہ یہ ہے کہ تاریخ کے ادوار میں سے اسلامی دور سب سے زیادہ روشن اور سب سے زیادہ عادل ہے اور افراد کے حقوق اور ان کی آزادیوں کا سب سے زیاد خواہش مند ہے اور اسلامی دور نے چودہ صدیوں سے افراد کے حقوق اور ان کی بنیادی آزادیوں کی حفاظت کا ہمہ جہتی اور نازک اور عادل نظام دیکھا ہے

(حقوق الانسان بین القرآن والا علان، حوالہ مذکور، ص 63-169)

اور گذشتہ ادوار کے کسی دور نے آج تک ایسا نظام نہیں دیکھا (جیسا اسلامی دور نے دیکھا ہے) چنانچہ مسلمانوں نے انسانی حقوق کے حفاظت کے میدان میں دو بنیادی امور پر اعتماد کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

[1] حدود شرعیہ کا نفاذ

چونکہ ہم عنقریب اس موضوع پر اس فصل میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے جو اسلام میں انسانی حقوق کے خلاف پھیلائے گئے شبہات کے ردّ کے لیے خاص ہے۔ اس لیے ہم یہاں فقط اشارے پر اکتفا کریں گے کہ اسلام میں حدود اللہ کے نفاذ کے اہم مقاصد میں افراد کے حقوق کی حفاظت بھی شامل ہے۔

[2] اس عدالت عامہ کو قائم کرنا، جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے اور قرآن کریم اور سنت نبویہ میں اس کی ترغیب دلائی ہے:

چنانچہ اسلام نے ایسے معاشرے کے قیام کے سلسلے میں کام کیا ہے جو پابندیوں سے آزاد عدالت عامہ پر قائم ہو۔ ایسی عدالت جو دوستوں اور دشمنوں کے لیے وسیع ہو، ایسی عدالت جو میلان اور جانبداری کو جانتی نہ ہو اور اثر و رسوخ والے لوگوں سے سکڑتی نہ ہو، ایسی عدالت جو حقدار کو اس لیے حق دیتی ہو کہ وہ حق دار ہے اور غاصب سے اس لیے حق چھینتی ہو کہ وہ غاصب ہے ایسی عدالت جو کمزور حقدار کو اس وقت تک طاقتور سمجھتی ہے جب تک اس کی طرف اس کا حق لوٹا نہ دے، اور طاقتور غاصب کو اس وقت تک کمزور سمجھتی ہے جب تک اس سے غیر کا حق ولوا نہ دے، ایسی عدالت جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اپنے اس فرمان

میں اس کی صفت بیان کی ہے کہ:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ ﴾ [النحل : 90]

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔''

وہ ذات باری تعالیٰ عدل کا حکم دیتی ہے اور عدل میں احسان کا حکم دیتی ہے وہ اس بات کو کافی نہیں سمجھتی کہ آدمی، عادل ہو بلکہ وہ حکم دیتی ہے کہ آدمی سے جس قدر ہو سکے وہ عدل میں احسان کرے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان ہے:

﴿ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾ [نساء : 58]

''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا (یہ بھی) فرمان ہے:

﴿ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ﴾ [انعام : 152]

''اور جب تم کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ (اس کی زد میں آنے والا) قرابت دار ہی کیوں نہ ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا (یہ بھی) فرمان ہے:

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ﴾ [مائدہ : 8]

''اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس بات پر نہ اکسائے کہ تم اس سے انصاف نہ کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا (یہ بھی) فرمان ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤی

أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا﴾ [النساء : 135]

''اے ایمان والو! تم انصاف کے (علم کو) تھام کر اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ اگر چہ وہ گواہی تمھیں اپنی ذات یا والدین اور قریبی رشتہ داروں پر دینی پڑے اگر وہ مالدار یا تنگدست ہوں تو اللہ، ان سے بھی مقدم ہے (لہٰذا) تم انصاف کے معاملے میں خواہش کی پیروی نہ کرو۔''

چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے عدل قائم کرنے میں اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی اور آپ کی ساری زندگی عدل سے موصوف ہوگئی اور آپ نے اپنے صحابہ کو عدل و انصاف کی تعلیم دی ہے اور اپنی امت کو ظلم سے ڈرایا ہے اور آپ نے عدل و انصاف اور مساوات اور حقوق کی نگہبانی اور حفاظت کے لیے اسلام کا دستور وضع فرمایا ہے۔

اسلام میں قضا (عدالت) ہی وہ بنیاد ہے جس پر انسانی حقوق کی حفاظت اور ضمانت قائم ہے اور یہی قضاء انسانی حقوق پر ظلم و زیادتی کے خلاف مضبوط ڈھال ہے اور اسلامی دور، تین ہمہ جہتی عدالتی نظاموں سے ممتاز ہے اور یہ نظام مندرجہ ذیل ہیں:

[1] نارمل عدالتی نظام

[2] ظلم کی شکایات کے ازالے کا نظام

[3] احتساب اور عام نگرانی کا نظام

درج ذیل میں ان تینوں نظاموں کے متعلق مختصر شذرہ پیش خدمت ہے:

[1] نارمل (روز مرّہ کا عمومی) عدالتی نظام

صدیاں گزرنے کے باوجود اسلام کا نارمل عدالتی نظام، لازوال انصاف میں منفرد ہے، اور ہر حقدار کو اس کا حق دینے میں حریص ہے اور ہر فرد پر شریعت غرّا کو مکمل طور پر نافذ کرنے میں پیش پیش ہے خواہ وہ کسی بھی عہدے یا مرتبے پر فائز ہو۔ اس میں ججوں کی نامزدگی ایسے محکم طریقے سے کی جاتی ہے جس میں جذبات کی جگہ نہیں ہوتی اور منصب عدالت کے لیے وہ علماء منتخب کئے جاتے ہیں جو عدل و انصاف اور حکمت و بصیرت اور لوگوں کے ہاں اعتماد کے لحاظ سے منفرد ہوتے ہیں۔

علمائے اسلام نے ایسی نازک اور واضح شرائط کی نشاندہی کی ہے جن کا اس شخص میں پایا جانا نہایت ضروری ہے جو منصب قضاء پر فائز ہوتا ہے ان میں سے اہم شرائط یہ ہیں:

(ا) جسمانی صلاحیت کی شرط: اس سے مراد یہ ہے کہ قاضی میں جسمانی طاقت اور ضروری صحت، وافر مقدار میں موجود ہو تا کہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے کا بوجھ اٹھا سکے۔

(ب) اسلامی شریعت کے احکام کے علم کی شرط (کہ وہ قاضی) اسلام کی حلال کردہ اور حرام کردہ چیزوں کے درمیان امتیاز کی طاقت رکھتا ہو اور وہ دین و دنیا کے اُمور میں فتویٰ دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(ج) اخلاق حمیدہ سے آراستگی اور اخلاق رذیلہ سے دور رہنے کی شرط: ان کے ساتھ ساتھ عام شرائط اور وہ شرائط بھی جن کا ہر اس شخص میں پایا جانا ضروری

ہے جو اسلام کے دیگر معاملات کی ذمہ داری اٹھانا چاہتا ہے مثلاً عقل، عمر یا بلوغت، دانائی جیسی شرائط اور یہ کہ وہ لوگوں میں کردار اور چال چلن کے اعتبار سے بہترین نمونہ اور قابل تقلید انسان ہو۔ مسلمان خلفاء نے قاضی میں شرعی شرائط فراہم کرنے کا اہتمام کیا اور خلیفۃ المسلمین ان قاضیوں کو معزول کرنے میں تردد نہیں کرتا تھا جو ان شرائط میں سے ایک یا ایک سے زائد شرائط پر پورا نہیں اترتے تھے یا ان کا عدل کے راستے سے ہٹ جانا ثابت ہو جاتا تھا یا وہ اپنی پاکیزگی اور عدل کے بارے میں لوگوں کا اعتماد کھو بیٹھتے تھے۔

چنانچہ خلفاء المسلمین اسلامی مملکت میں شہروں کے قاضیوں کے انتخاب میں باریک بینی سے کام لیتے تھے۔ پھر انہیں ان تعلیمات سے آراستہ کرتے تھے جن میں قاضی کے فرائض اور قاضیوں کے آداب کی یاد دہانی ہوتی تھی اور ان خوبیوں کا تذکرہ بھی ہوتا تھا جن سے قاضی کو متصف ہونا چاہیے۔ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب کا حضرت ابو موسیٰ اشعری کو قضاء کے بارے میں بھیجا ہوا مکتوب ہمارے سامنے ان اقدامات کا خلاصہ پیش کرتا ہے جو عدل قائم کرنے اور ظلم کے نشانات مٹانے کے سلسلے میں قاضی اسلام کو کرنے چاہیں۔

اسلامی عدالت کے خدوخال کے سلسلے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف حضرت عمر بن خطاب کے مکتوب کی اہمیت کے پیش نظر ہم اس مکتوب کی عبارت نقل کرتے ہیں تاکہ ہم اس بات کا فوراً ادراک کر سکیں کہ اسلام میں نظام عدالت کس طرح انسانی حقوق کا تحفظ کرتا ہے اور اسے بیہودہ کاروں کی بیہودہ کاری سے محفوظ رکھتا ہے۔ ذیل میں اس مکتوب کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے عبداللہ بن قیس کی طرف آپ پر

سلامتی ہو۔ اما بعد:

''قضاء (Judgment) ایک مستقل فریضہ اور سنت متبعہ ہے، جب کوئی مقدمہ تیرے سامنے پیش ہو تو خوب سمجھ لیجئے کیونکہ اُس حق گوئی کا کوئی فائدہ نہیں جو نافذ نہ ہو سکے۔ لوگوں کے درمیان مساوات برت...... اپنی مجلس میں بٹھانے کے موقع پر بھی اور توجہ کرنے کے وقت بھی۔ تاکہ کوئی معزز آدمی تجھ سے ظلم کرانے کی امید نہ رکھے اور کوئی کمزور آدمی تیرے عدل سے مایوس نہ ہو۔ دلیل اور ثبوت اس کے ذمہ ہے جو دعویٰ کرے اور قسم اس کے ذمہ ہے جو انکار کرے اور لوگوں کے درمیان صلح جائز ہے مگر وہ صلح جو حرام کو حلال کرے یا حلال کو حرام کرے (وہ جائز نہیں)۔

اور وہ فیصلہ تجھے حق کی طرف رجوع کرنے سے نہ روکے جو تو نے گذشتہ روز کیا تھا اور اس کے بعد تو نے اپنے دل میں اس کے متعلق سوچا تو وہ غلط معلوم ہوا اور اس کی بجائے صحیح فیصلے کی توفیق مل گئی ہو کیونکہ حق کو کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی اور جان لے کر حق کی طرف لوٹ آنا، باطل میں بڑھتے چلے جانے سے بہتر ہے۔

جو خیال تیرے دل میں بار بار آئے اور اس کے متعلق نہ تو قانون سے کوئی دلیل ملے اور نہ سنت سے تو اسے اچھی طرح سمجھو اور اس کے مماثل اور مشابہات کو پہچانو پھر معاملات کو (ان پر) قیاس کرو پھر ان میں اس چیز کو اختیار کرو جو تمہارے خیال میں حق کے زیادہ مشابہہ اور اللہ کو زیادہ محبوب ہو، جو شخص غیر حاضر ہو اور وہ اپنے حق کا دعویٰ کرے تو اس کو اتنی تاریخ دے دو کہ وہ پہنچ سکے اگر وہ خود پیش ہو کر اپنی دلیل پیش کر دے تو اپنا حق وصول کر لے گا ورنہ اس کے برخلاف

فیصلہ کرنا جائز ہوگا۔ گواہی دینے میں تمام مسلمان عادل تصور ہوں گے مگر وہ شخص جس پر حد نافذ ہوچکی ہو یا اس کے جھوٹی شہادت دینے کا تجربہ ہوچکا ہو یا اس کے بارے میں طرف داری یا رشتہ داری کی تہمت ہو(تو ایسے لوگ شہادت کے اہل نہ ہوں گے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سربستہ بھیدوں کا والی ہے اور اس نے بیانات سے تمہاری مدد کی ہے۔ سچے مقدمہ کی سماعت کے موقع پر بے چینی، اچاہٹ اور ایذاء سے بچنا کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر برداشت سے کام پر اجر عطا کرتا ہے اور خوشی کو اچھا سمجھتا ہے۔

چنانچہ جس شخص کا اپنے اور اللہ کے درمیان باطنی تعلق ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان تعلق درست کردے گا اور جس شخص نے دنیا کے لیے اس چیز سے زینت حاصل کی جسے اللہ نے اچھا نہیں سمجھا تو اللہ اسے بدنما کردے گا۔“...... والسلام

اس عظیم مکتوب میں سیدنا عمر بن خطاب قضاء کا اس حیثیت سے تذکرہ کررہے ہیں کہ وہ ملک کا اہم منصب ہے کیونکہ یہ حق کو نافذ کرنے کا راستہ ہے اور جب شریعت کا مقصد اور قضا کا ہدف، حق کا نفاذ ہے تو باطل کا کوئی احترام نہیں ہے اگرچہ وہ غلط اجتہاد کا ثمرہ ہی کیوں نہ ہو اور اس باطل کی شرعی حیثیت کچھ بھی نہیں۔

مزید برآں حضرت عمر بن خطاب اس حقیقت کی وضاحت کررہے ہیں کہ صلح کے وقت بھی حق ہی معیار ہے اور ماپنے کا پیمانہ ہے اور نزاع کے موقع پر ہو لوگوں کے درمیان صلح جائز ہے البتہ وہ صلح جائز نہیں جو حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال کرے۔

علاوہ ازیں خلیفہ راشد اس عظیم پیغام میں بیان کر رہے ہیں کہ تمام مؤمن عدالت مثلاً گواہی میں برابر ہیں جب تک وہ چیز ثابت نہ ہو جائے جو مومن کی عدالت میں قادح ہو یا وہ اس کی شہادت کو ٹوٹتی ہو۔

[2] مظالم کے ازالے کا نظام

اسلام میں عمومی عدالت کے پہلو میں مظالم کے ازالے کا نظام بھی پایا گیا ہے اس نظام کا ہدف یہ ہے کہ ظلم سے متعلقہ شکایات وصول کی جائیں خواہ وہ ظلم معاشرے کے افراد کی طرف سے ہوا ہو یا حکام کی طرف سے اور ان کی چھان بین کر کے ان کے متعلق رائے قائم کی جائے اور غصب شدہ حقوق، ان کے حقداروں کی طرف لوٹائے جائیں۔

اسلام میں جس شخص کو مظالم کے شعبے کا انچارج بنایا جاتا ہے اس کے متعلق شرائط یہ ہیں کہ وہ عظیم مرتبے والا ہو، اور اس کا حکم مانا جاتا ہو، اور اس کا رعب و دبدبہ کافی ہو، سمجھ دار ہو، لالچ اور طمع سے کوسوں دور اور زہد و ورع سے وفور ہو۔

درج ذیل میں مظالم کے انچارج کے اختیارات متعین کیے جاتے ہیں:

- سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں کمی یا تاخیر۔
- غاصبوں سے غصب شدہ مال واپس لے کر اصل مالکوں کو لوٹانا۔
- مخصوص اوقاف کے متعلق تنازعات کی جانچ پڑتال۔
- ایسے احکام کا نفاذ جنہیں عمومی عدالت نافذ کرنے سے عاجز ہے۔
- عوامی مفادات سے متعلق ایسے معاملات جن میں محتسب غور کرنے سے عاجز ہے، ان میں غور و فکر کرنا۔

* باہم جھگڑنے والوں کے درمیان ثالثی کر کے فیصلہ کرنا۔

[3] نظام احتساب

حسبہ ایک دینی منصب ہے اور اس کا تعلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہے اور اس منصب کی بنیادی ذمہ داری اللہ کی سرزمین میں اللہ کی شریعت کی بالادستی کے لیے کام کرنا ہے اور حق کو ثابت اور باطل کو زائل کرنا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہم اس کے دائرہ کار کی تقسیم تین قسموں میں کردیں، کیونکہ علماء کرام نے حسبہ فرائض کو یوں بیان کیا ہے کہ وہ ایک عدالتی طرز کا سسٹم ہے جو عدل کے قیام اور ظلم کے خلاف لڑنے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے اور وہ تین قسمیں یہ ہیں:

(ا) امت کی دینی اور اخلاقی اصلاح، جیسے لوگوں کو نماز کا پابند بنانا، ائمہ کرام اور مؤذنین کی خبر رکھنا کہ وہ اپنے فریضے کی ادائیگی میں سستی کا شکار نہ ہوں اور نا اہل لوگوں کو شریعت کے مسائل میں رائے زنی سے روکنا اور لوگوں کی خبر رکھنا کہ وہ ایسے کام نہ کریں جو اخلاق یا شریعت سے متصادم ہوں۔

(ب) ان معاملات کی نگہبانی کرنا جو قضاء (عدالت) کے دائرہ کار میں داخل نہیں ہیں یا ان کا محکمے کی طرف لے جانا مشکل ہے جیسے جاسوسی، یا ناپ تول میں کمی یا سامان فروخت یا اس کی قیمت میں ہیرا پھیری یا کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ یا ممنوع چیزوں کی فروخت یا حرام لین دین اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ۔ (دیکھیے جلال الدین عمری کی امر بالمعروف والنھی عن المنکر، الاتحاد الاسلامی العالمی للمنظمات الطلابیة)

(ج) عوامی ضروریات کی چیزوں کی دیکھ بھال۔ جیسے ان کے پانی پینے کی جگہوں کی درستگی اور ان کی چار دیواری کی تعمیر اور مسافروں کی امداد اور ان کے لیے سہولیات

کی فراہمی اور ٹریفک قوانین بنانا اور لوگوں سے ان کی پابندی کروانا اور خطرناک عمارتوں کا گرانا مبادا کہ وہ کسی جان اور مال کا نقصان نہ کریں۔

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں حسبہ کے اہم فرائض میں مسلمان انسان کے حقوق کی نگہداشت بھی ہے اور شرعی وسائل سے ان کی حفاظت بھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ عدالتی اختیارات رکھنے والے اداروں نے انسانی حقوق اور ان کی آزادیوں کی حفاظت پر کام کیا ہے تاکہ وہ ممکن حد تک بھرپور طریقے سے عدل قائم کریں اور لوگوں کے درمیان حق کے قیام کو یقینی بنائیں۔[1]

انسانی حقوق کے میدان میں انٹرنیشنل معاہدات پر اسلامی شریعت کی بالادستی پر مزید روشنی ڈالنے کی غرض سے ہم اس موازنے کا ایک حصہ درج کرتے ہیں جسے سعودی عرب کے کبار علما کے ایک فریق نے اسلام میں ثقافتی حقوق اور بین الاقوامی معاہدات پر منعقد کیا تھا۔ (دیکھیے: ندوات إسلامية حول الشريعة الإسلامية، ص 83-99)

چنانچہ ریاض، پیرس، ویٹیکن سٹی، عالمی چرچ کونسل جنیوا، یورپی کونسل سٹربرگ جیسے تمام شہروں میں اسلامی شریعت اور اسلام میں انسانی حقوق کے متعلق بہت سے سیمینار منعقد کیے گئے اور ان میں سعودی عرب کے کبار علما اور یورپ کے بڑے بڑے مفکرین اور قانون دانوں نے شرکت کی اور ان سیمینارز کے اہم مقاصد میں ان امتیازات کو نمایاں کرنا مقصود تھا جو اسلام میں انسان کے ثقافتی حقوق کو عالمی معاہدات سے ممتاز کرتے ہیں اور ہم معزز علماء کرام کے بیان کے مطابق اسلام اور عالمی معاہدات میں ثقافتی حقوق کی خصوصیات بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

بین الاقوامی معاہدات میں ثقافتی حقوق کے خصائص

ذیل میں ان خصائص کی ممکنہ تلخیص درج کی جاتی ہے:

[1] ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرے اور اسے اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

[2] پہلے نمبر پر والدین کا حق ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لیے اپنے عقائد کے مطابق دینی تعلیم کا اہتمام کریں۔

[3] تعلیم و تربیت کا ٹارگٹ یہ ہونا چاہیے کہ انسان کی شخصیت مکمل طور پر کھل جائے اور اسے اپنی تکریم کا احساس ہوجائے۔ مزید برآں انسان کے حقوق اور اس کی بنیادی آزادیوں کے احترام کے جذبات پنپ سکیں۔

[4] دراصل بچے کا رجحان ہی اس کے سرپرستوں کو بچے کی تعلیم و تربیت اور راہنمائی کے انداز کی نشاندہی کرسکتا ہے (یعنی بچے کا مفاد اعلیٰ اسی میں ہے کہ مسؤلین اس کی تعلیم و تربیت اور اس کی راہنمائی، اس کے رجحان کے مطابق کریں)

انٹرنیشنل ثقافتی حقوق کی خصوصیتوں پر ایک نظر

(اب ہم بین الاقوامی ثقافتی حقوق کے خصائص پر غور کرتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ)

- کہ یہ پرائیوٹ حق ہے اور یہ عام فریضہ (General-precept) نہیں ہے۔
- مزید برآں اس پرائیوٹ حق پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اس حق کو (یورپی کونسل کے) پہلے ضمیمہ میں سلبی صیغے (ڈھیلے ڈھالے الفاظ) میں بیان کیا

گیا ہے۔ ایجابی صیغے (تاکیدی الفاظ میں) بیان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس کے الفاظ ہیں:

"No one's right to education-shall be denied"

''کہ کسی کے لیے روا نہیں کہ وہ کسی شخص کے حق تعلیم کا انکار کرے۔''

اس کا نتیجہ یہ نکلے گا اس کا اپنے پرائیوٹ حق سے دست بردار ہونا (جرم شمار نہیں کیا جائے گا) کیونکہ وہ اس سے دوسروں کو نقصان نہیں دے رہا۔ چنانچہ اس دفعہ میں مکمل طور پر تعلیم جیسے حق کو جو انسان کی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، کمزور کر دیتا ہے۔ خاص طور پر کہ جب ہم بین الاقوامی معاہدات میں اس ثقافتی حق پر غور کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس پرائیوٹ حق کو تسلیم کرنے سے ان کا مقصد صرف یہی ہے کہ ذاتی طور پر انسان کی شخصیت کھل جائے اور اسے اپنی تکریم کا شعور حاصل ہو جائے (اس معاہدے میں اس بات کی طرف) اشارہ تک نہیں کہ سائنسی علوم کی مختلف انواع فرد اور معاشرے کی زندگی کے لیے ضروری ہیں اور خاص طور پر اس پہلی علمی حقیقت پر ایمان کی طرف اشارہ بھی نہیں کہ اس گیتی کا سرچشمہ اور آسمان و زمین کا خالق اور انسان کا پیدا کرنے والا کوئی ہے اور اس کی تعلیمات کو بسر و چشم قبول کرنا واجب ہے۔

اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس ایمان باللہ جو کہ اللہ پر ایمان رکھنے والی اقوام کے ہاں بین الاقوامی ثقافتی حقوق کا اصل مقصود ہے، کا فقدان ہی ٹیکنالوجی ترقی کے ان خطرات کا پیش خیمہ ہے جس کی طرف انسانی حقوق کی انٹرنیشنل کانفرنس منعقدہ طہران (21 اپریل تا 13 مئی 1968ء) میں اشارہ کیا گیا تھا اور جس کے الفاظ فقرہ نمبر 18 میں یوں تھے:

"while recent scientific discoveries and technilogical advances have opened vast prospevts for echnomic social and cultural progress such developments may nevertheless endanger the rights and fre edoms of individuals and ? reguire continuing attention "

جبکہ سائنسی انکشافات اور ٹیکنالوجی ترقی نے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی ترقی کے لیے ہم پر وسیع امیدوں پر گفتگو کا دروازہ تو کھول دیا ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ترقی فرد کے حقوق اور اس کی آزادیوں کو خطرے میں ڈال دے۔

اسلام میں انسان کے ثقافتی حقوق کی خصوصیات

اسلام میں انسان کے ثقافتی حقوق کی اہم خصوصیات اور امتیازات کی ممکنہ تلخیص درج ذیل ہے:

[1] اسلام میں انسان کے ثقافتی حقوق کی تعبیریوں کی جاسکتی ہے کہ وہ کمپلسری فریضہ (Ordinance) ہیں۔ نتیجتاً ان سے دست برداری جائز نہیں اس بنا پر یہ محض انسانی حقوق نہیں ہیں جبکہ سیکولر دستاویزات میں انسانی حقوق کے معاہدوں میں ان کی حیثیت یہی ہے اور کچھ نہیں۔

[2] یہ کمپلسری فریضہ بیک وقت فرد اور جماعت کے کندھوں پر ہے اور یہ دونوں اس فریضہ کے نفاذ کے ذمہ دار ہیں اور یہ فریضہ پبلک لائف سے متعلق ہے خاص حقوق سے نہیں۔

[3] اسلام میں یہ فریضہ (Ordinance) تعزیرات کی گارنٹیز سے محفوظ کر دیا گیا ہے اور یہ محض سفارشات یا اخلاقی احکام کی حیثیت نہیں رکھتا کہ اس کی کوئی گارنٹی

ہی نہ ہو (جب کہ سیکولر دستاویزات میں ان کی حیثیت سفارشات یا اخلاقی احکام سے بڑھ کر کچھ نہیں) نتیجتاً اسلام میں پبلک اتھارٹی کو اس فریضہ کے جبری نفاذ کا حق حاصل ہے اور یہ بات اس مفہوم کے خلاف ہے جو انٹرنیشنل معاہدات میں انسانی حقوق کے سلسلے میں درج ہے کیونکہ ان کے مطابق یہ شخصی حق ہے اگر کوئی شخص اس حق سے دست بردار ہوتا ہے تو اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔

[4] اسلام میں ثقافتی حقوق طلبا کے سرپرستوں کو مکمل آزادی دیتے ہیں کہ وہ اپنے عقائد کے مطابق اپنی اولاد کے لیے جس طرح کی تعلیم و تربیت چاہیں دلواسکتے ہیں بلکہ وہ مسلمانوں پر اپنی اولاد کو تعلیم دلوانا لازمی قرار دے سکتے ہیں۔

اور یہ بات جمہوری تنظیموں کے برعکس ہے، کیونکہ وہ والدین کی مرضی کے خلاف خاص قسم کی تعلیم کو لازم قرار دیتی ہیں۔ مزید برآں یہ بات سیکولر جمہوری تنظیموں کے برعکس ہے، کیونکہ وہ تعلیم و تربیت کے سلسلے میں سیکولرازم کو لازم قرار دیتی ہیں ان دونوں نظاموں میں بچوں اور نوجوانوں کی عقلوں پر جبر کا عنصر ہے اور انہیں عقیدتاً محض حکومتی نظم ونسق کے فلسفے کے سامنے سرنگوں کرنا ہے اور انہیں اس شرعی راہنمائی سے دور رکھنا ہے جس کا پہلے درجے میں والدین اور سرپرستوں کے لیے انسانی حقوق کے بین الاقوامی معاہدوں میں اعتراف کیا گیا ہے۔

[5] اور آخری بات یہ ہے کہ اسلام میں اس ثقافتی فریضے (جبراً تعلیم دلوانا) کا بنیادی امتیاز بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ فریضہ انسان کے سامنے ریسرچ کی غرض سے آسمان اور زمین کے تمام گوشے کھول دیتا ہے اور زندگی کے شعبوں سے متعلق مختلف علوم سے آگاہی کی دعوت دیتا ہے اور بغیر کسی حد بندی اور خوف ترقی کے ہر طرح کی ٹیکنالوجی کے حصول کی اجازت دیتا ہے جبکہ اقوام متحدہ کے طہران

ڈیکلریشن میں ٹیکنالوجی کی ترقی سے خوف کا اظہار کیا گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں علمی طور پر کائنات اور انسان کے خالق کا اعتراف اور اقرار موجود ہے اور یہی اعتراف اور اقرار ٹیکنالوجی کے علوم کو ترقی کے معاملے میں اس بات سے بچاتا ہے کہ یہ صرف مادی منفعت تک ہی محدود ہوتا کہ یہ ٹیکنالوجی جسمانی مفادات کے ساتھ ساتھ روحانی غذا کا حقیقی آلہ بن جائے اور یہ مقصد انسان کو اپنے رب کے قریب کرنے اور اس کی وصیتوں اور احکامات پر عمل کرنے کی دعوت دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ تاکہ انسان ایک طرف علم کے بلند پایہ روحانی مقاصد کو سمیٹ سکے اور دوسری طرف دنیا میں اپنی جسمانی لذتوں سے بہرہ ور ہو سکے اور اس کے ساتھ اپنی جان کو ضیاع اور حیوانی اور مادی دلدل میں دھنسنے سے بچا سکے۔

پانچویں فصل

حدود شرعیہ کا نفاذ انسانی حقوق کے احترام اور ان کی حفاظت کا پیش خیمہ ہے اور انہیں معطل کرنا انسانی حقوق کی بے حرمتی کا ذریعہ ہے۔

یہ فصل مندرجہ ذیل موضوعات پر مشتمل ہے:

اوّلاً: اسلام میں عقوبات کا مفہوم

ثانیاً: حدود کا مفہوم اور ان کی اقسام

ثالثاً: حدود شرعیہ کے نفاذ کے مقاصد

رابعاً: حدود شرعیہ کی خصوصیات اور ان کے امتیازات

خامساً: حدود سرعیہ کے نفاذ کی حکمت اور ان کے نفاذ کے فوائد

سادساً: حدود شرعیہ کے نفاذ میں سستی اور انہیں معطل کرنے کے نقصانات

سابعاً: موازنہ مابین، اس معاشرے کے جہاں حدود شرعیہ کا نفاذ ہے اور اس معاشرے کے جہاں ان کا نفاذ نہیں۔

تمہید وتعارف

دشمنانِ اسلام وقتاً فوقتاً مختلف انداز میں انسانی حقوق کے متعلق اسلام کے موقف کے خلاف متعدد شبہات اچھالتے رہتے ہیں۔ ان شبہات میں سے ایک یہ

ہے کہ اسلام میں تعزیرات سنگدلانہ ہیں اور ان تعزیرات سے انسان کی عزت و تکریم اور اس کے حقوق کی بے حرمتی ہوتی ہے اور ہم انشاء اللہ دوسری فصل میں ان شبہات کا رڈ کریں گے۔

جبکہ اس پہلی فصل کو ہم اس زندہ حقیقت کی نقاب کشائی کے لیے خاص کریں گے کہ اسلام میں حدود کا نفاذ، انسانی حقوق کے احترام اور ان کی حفاظت کا پیش خیمہ ہے اور ان حدود کے خلاف پروپیگنڈا اور انہیں معطل کرنے کی دعوت، علانیہ طور پر انسانی حقوق کی پامالی اور ان کی بے حرمتی کی دعوت ہے۔

چنانچہ ہم عنقریب اس حقیقت کو آشکارا کرنے کی غرض سے اسلام میں عقوبت کا مفہوم اور اس کی اقسام اور شرعی حدود کا مفہوم اور کتاب وسنت سے ان کے دلائل پیش کریں گے۔ علاوہ ازیں ہم شرعی حدود کے نفاذ کے مقاصد اور ان کی خصوصیات اور ان کی حکمت اور ان کے نفاذ سے حاصل ہونے والے فوائد بیان کریں گے اور ان نقصانات پر روشنی ڈالیں گے جو انہیں معطل کرنے کی صورت میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور ہم اس فصل کو ایک موازنے پر ختم کریں گے جو اس معاشرے کے درمیان ہوگا جس میں ان حدود کا نفاذ ہے اور جس میں ان کا نفاذ نہیں ہے۔

مبحث اول: اسلام میں عقوبت کا مفہوم اور اس کی اقسام

اسلامی شریعت میں عقوبت سے مراد ایسی سزا یا جرمانہ ہے جو اس شخص پر نافذ کیا جاتا ہے جو اللہ کے احکام کی خلاف ورزی اور اس کے منع کردہ امور کا ارتکاب کرے اور عقوبت اس غرض سے مشروع کی گئی ہے کہ وہ واجبات کو بجالانے اور

محرمات سے رک جانے کی داعی ہو۔[27] بالفاظ دیگر عقوبات سے مراد ایسی دھمکیاں جو اللہ نے ان گناہوں کے ارتکاب پر دی ہیں جن سے اس نے بچنے کا حکم دیا اور ان کاموں کے ترک کرنے پر دی ہیں جن کا اس نے حکم دیا ہے۔[28]

اور جس بنیاد پر حد نافذ کی جاتی ہے وہ ہے خرابیوں کو دور کرنا اور مفادات کو حاصل کرنا اور اسلام میں عقوبات کا نظام دو طرح کے جرائم پر دو طرح کی سزاؤں پر مشتمل ہے۔[29]

پہلی قسم: ایسے جرائم جو پبلک سیکورٹی کو تہہ و بالا کر دیں مثلاً ڈاکہ زنی، اسلحہ کی نمائش، قتل و غارت، لوٹ مار وغیرہ اس قسم کے جرائم کا نام حرابہ رکھا گیا ہے اور یہ نام قرآن کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔

﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ﴾ [مائدہ : 33]

”بے شک ان لوگوں کی سزا، جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہ ہے کہ انھیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر لٹکا دیا جائے یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انھیں زمین سے جلا وطن کر دیا جائے۔“

دوسری قسم: ایسے جرائم جنھیں اسلام نے جرم ہی تصور کیا ہے خواہ ان کا تعلق کسی شخص کے حق کی بے حرمتی یا پامالی سے ہو جیسے حق زندگی، حق ملکیت، حق عزت، حق آبرو، شخصی تکریم (Personal-dignity) ہو یا کسی کے حق کی پامالی سے تو نہ ہو لیکن اسلام کی نظر میں وہ دینی یا اخلاقی خلاف ورزی پر مشتمل ہو جیسے شراب نوشی۔

دوسرے اعتبار سے اسلامی قانون میں عقوبات (سزائیں) دوقسم کی ہیں:

[1] محدود بنیادی جرائم کی محدود سزائیں، جب ان کے سلسلے میں معین شرائط پوری ہو جائیں، ان کا نام (حدود) رکھا جاتا ہے اور ہم ان شاء اللہ عنقریب ان عقوبات (سزاؤں) پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

[2] ایسی عقوبات (سزائیں) جن کا نفاذ حاکم وقت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے اوران کا نام تعزیز یا تعزیرات رکھا گیا ہے اور تعزیرات سے مراد وہ سزائیں ہیں جو ایسے گناہوں یا جرائم پر دی جاتی ہیں جن پر محدود شرعی سزائیں مشروع نہیں ہیں اور یہ سزائیں پبلک مفاد کے مطابق مختلف ہوتی ہیں۔

وہ جرائم جن پر تعزیرات لگائی جاتی ہیں دوقسموں پر منقسم ہیں:

- حدود یا قصاص عمد کے جرائم، جن میں حد یا قصاص کی سزا نافذ کرنے کی شرطیں پوری نہیں ہوتیں مثلاً کوئی شخص غیر محفوظ جگہ سے چوری کا ارتکاب کرے یا نصاب سے کم شے کی چوری کرے اور شرمگاہ کے علاوہ جسم کے کسی حصے میں جماع کرے تو ان جرائم کے ارتکاب پر تعزیز لگائی جائے گی اور خاص زنا اور چوری کی حد نہیں لگائی جائے گی، کیونکہ حد کے نفاذ کی شرطیں پوری نہیں ہوئیں۔
- ایسے جرائم جن پر حد یا قصاص نہیں ہے اور اس طرح کے جرائم یا گناہ بہت سے ہیں مثلاً امانت میں خیانت، معاملات میں دھوکہ دہی، جھوٹی شہادت، ماپ تول میں کمی اور پبلک پراپرٹی کے سلسلے میں بلیک میلنگ، جعلی دستاویزات تیار کرنا، جعلی کرنسی تیار کرنا وغیرہ قسم کے جرائم اور ایسی خلاف ورزیاں جو شرافت، مروّت اور اخلاق کے منافی ہیں۔

تعزیری سزاؤں کی بھی کئی اقسام ہیں ان میں سے قتل بھی ہے اور یہ اس صورت میں جب پبلک مفاد اس سزا کا تقاضا کرے یا مجرم کا فساد اس کے قتل کے بغیر رُک نہ سکتا ہو جیسے جاسوس کو قتل کر دینا، بدعت کے داعی کو قتل کرنا، خطرناک جرائم کے مرتکب کو قتل کرنا، منشیات کے سمگلر اور دلال کو قتل کرنا۔

سعودی عرب میں منشیات کے پھیلاؤ اور فرد اور معاشرے پر اس کے بُرے اثرات کی بنا پر شرعی ریسرچ کے بعد، منشیات کے سمگلر اور دلال پر قتل کی سزا بطور قانون نافذ ہے۔

تعزیری سزاؤں میں جسمانی سزا، قید کی سزا، جلاوطنی کی سزا، برطرفی کی سزا، پھانسی، زجر و توبیخ اور وارننگ کی سزا، جلاوطنی کی سزا، بدنامی کی سزا، تاوان کی سزا، عہدے سے معزولی کی سزا۔

[2] حدود یا محدود سزائیں

قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں معین جرائم کی محدود سزائیں مقرر ہیں اور ان کا نام حدود والے جرائم رکھا گیا ہے۔[30] اور وہ یہ ہیں: زنا، بہتان، چوری، ڈاکہ زنی، ارتداد، بغاوت، ان محدود جرائم کا جو شخص ارتکاب کرے گا اس پر شرع کی مقرر کردہ سزا نافذ ہوگی اور یہ جرائم دو قسموں میں منقسم ہیں:

[1] جرائم کی پہلی قسم میں بنیادی طور پر بندوں کا حق یا پرائیوٹ حق معتبر ہے اور وہ یہ ہیں۔ قتل، جسمانی ایذاء، (زخم یا عضو بیکار کرنا) قذف یا زنا کا بہتان، ان جرائم کی سزا اس صورت میں تبدیل یا نرم کی جا سکتی ہے جب صاحب حق اپنا حق ساقط کر دے اس صورت میں ان جرائم کی سزا تعزیر میں تبدیل ہو جائے گی یعنی

پبلک رائٹ کے مقابلے میں نرم سزا، اور اس تعزیری سزا کی تعیین مختص اتھارٹی کے ذمے ہے۔

[2] جرائم کی دوسری قسم اللہ کا حق قرار دی گئی ہے اور وہ جرائم یہ ہیں۔ زنا، چوری، شراب نوشی۔ ان جرائم کی سزا کالعدم نہیں کی جا سکتی اور نہ صاحب حق کے معاف کرنے کی وجہ سے تبدیل کی جا سکتی ہے۔

مبحث دوم: حدود کا مفہوم اور ان کی اقسام

حدود سے مراد ایسی متعین سزائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حق کی حیثیت سے مشروع ہیں اور یہ متعین (Fixed) ہیں۔ یہ وقت یا جگہ یا ماحول یا حالات کے بدلنے سے تبدیل نہیں ہو سکتیں۔

عربی زبان میں حد کا اطلاق (منع) اور دو چیزوں کے درمیان (حاجز) چیز پر ہوتا ہے، لیکن شرعی معنی میں حدّ کا اطلاق اس سزا پر ہوتا ہے جو اللہ کے حق کی حیثیت سے قائم ہو۔ چنانچہ جب کسی حاکم (اسلام) کو کسی مجرم کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہ حدّ کی عقوبت کا مستحق ہو چکا ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ حدّ نافذ کرے اور وہ اس کو معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اور ایسے جرائم جو حدّ شرعی کے مستوجب ہیں، وہ سات ہیں:

[1] زنا

زنا سے مراد قبل یا دُبر میں بے حیائی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ [النور : 2]

''کہ زانیہ عورت اور زانی مرد ہر دونوں کو سو سو کوڑے مارو۔''

اور حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

[خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي فَقَد جَعَلَ اللّٰه لَهُنَّ سَبِيلًا: اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلَدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ جَلْدَةٍ وَالرَّجْمُ] [مسلم]

''کہ مجھ سے (علم) حاصل کرلو، مجھ سے (علم) حاصل کرلو، بلاشبہ اللہ نے ان کے لیے راہ نکال دی ہے۔ کنواری عورت کنوارے مرد سے زنا کرے تو ان کو سو کوڑے مارنا اور سال بھر جلا وطن (یا قید) کرنا، ان کی سزا ہے اور شادی شدہ عورت، شادی شدہ مرد سے زنا کرے تو ان کی سزا سو کوڑے اور سنگسار کرنا ہے۔''

حضرت رسول کریم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: اے اللہ کے رسول: میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، حتی کہ اس نے اس بات کو چار مرتبہ دہرایا۔

جب اس نے اپنی جان پر چار گواہیاں دیں تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا: کیا تجھے جنون لاحق ہے؟

اس نے کہا: نہیں

آپ نے فرمایا: کیا تو شادی شدہ ہے؟

اس نے کہا۔ ہاں

آپ نے فرمایا: اسے لے جاؤ اور رجم کردو۔ (متفق علیہ)

زنا کی حرمت میں فلسفہ یہ ہے، اسلامی معاشرے کی طہارت کی حفاظت،

مسلمانوں کی عزتوں کا بچاؤ۔ ان کے دلوں کی طہارت، ان کی شرافت کی بقا، ان کے نسب کی نگہبانی۔

[2] قذف

اس سے مراد زنا کا بہتان لگانا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾ [نور : 4]

"اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کا بہتان لگاتے ہیں پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے تو ان کو اسی کوڑے مارو اور ہمیشہ کے لیے ان کی گواہی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں۔ مگر وہ لوگ جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اپنے آپ کو درست کر لیں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

حضرت عائشہ طاہرہ فرماتی ہیں کہ جب میری پاکدامنی کی شہادت نازل ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور اس پاکدامنی کا تذکرہ کیا اور قرآن پڑھا جب آپ منبر سے اترے تو دو آدمیوں اور ایک عورت کے متعلق حکم دیا کہ ان پر حد قذف نافذ کی جائے چنانچہ ان پر حد نافذ کر دی گئی۔ (احمد)

حد قذف کے نفاذ میں فلسفہ یہ ہے، مسلمان کی عزت و شرافت کی سلامتی کی نگہبانی، معاشرے کی فحاشی سے پاکیزگی کی نگہبانی، عادل مسلمانوں کے میں گندی عادات کے پھیلاؤ کو روکنا۔

[3] چوری

اس سے مراد محفوظ جگہ سے خفیہ طریقے سے مرغوب مال کو نکال لینا ہے یہ چوری اس وقت کہلائے گا جب وہ نصاب (چوتھائی دینار) کو پہنچ جائے اور اس میں چوری کرنے والے کا کسی بھی اعتبار سے (شراکت یا ملکیت) کا شبہ نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ [مائدہ : 38]

''اور چور مرد اور چور عورت ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، یہ بدلہ ہے ان کے کسب کا یہ سزا اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

[قَطَعَ النَّبِي ﷺ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ] [ابوداود]

''کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا تھا جس کی قیمت تین درہم تھی۔''

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

[لَا تُقْطَعُ يَدُالسَّارِقِ اِلَّا فِیْ رُبعِ دِيْنَارٍ فَصَاعِدًا] [بخاری ومسلم]

''کہ چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر چوتھائی دینار یا اس سے زائد کی چوری پر۔''

[4] شراب نوشی

شراب نوشی، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی نص اور اجماع امت کی رو

سے حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴾

[مائدہ : 90-91]

''اے ایمان والو! بلاشبہ شراب اور جوا اور آستانے اور پانسے پلید اور شیطانی کام ہیں۔ لہٰذا تم ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاجاؤ، بلاشبہ شیطان چاہتا ہے کہ وہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور نفرت ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے، تو کیا تم (ان افعال سے) باز آنے والے ہو؟!۔''

[5] ڈاکہ

اس سے مراد مکلّف (عاقل بالغ) آدمی کا کسی بے گناہ آدمی کی جان یا آبرو یا مرغوب مال پر دن دیہاڑے زبردستی قبضہ کر لینا ہے۔[31] اس جرم کی سزا کے بارے میں اصل بنیاد اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل فرمان ہے:

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا

عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [مائدہ: 33-34]

''کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا وہ ملک سے نکال دیئے جائیں یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب تیار ہے، ہاں، جن لوگوں نے پیشتر اس سے کہ وہ تمہارے قابو میں آ جائیں توبہ کر لی تو پھر جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

[6] بغاوت

اس سے مراد امام (حاکم وقت) پر خروج کرنا ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب حاکم کے پاس خروج کرنے والوں کے خلاف طاقت اور شوکت بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ [حجرات: 9]

''اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دیا کرو پس اگر ایک جماعت، دوسری جماعت کے خلاف بغاوت کرے تو تم اس جماعت سے لڑو جو بغاوت کرتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ

کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ چنانچہ اگر وہ لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو بے شک اللہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

[7] ارتداد

اس سے مراد اسلام سے لوٹ (پھر) جانا ہے یا اسلام کے بعد کفر کو اپنا لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾ [بقرہ : 217]

"اور وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر وہ طاقت رکھیں تو تمھیں تمہارے دین سے ہی پھیر دیں اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر گیا اور وہ اسی کفر پر مر گیا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں تباہ ہو گئے اور وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا (یہ بھی) فرمان ہے:

﴿ وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ ﴾ [المائدہ : 5]

"اور جو کوئی ایمان سے کفر کرے تو اس کے اعمال تباہ ہو گئے۔"

اور حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:

[مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ] [بخاری]

''کہ جو کوئی (مسلمان) اپنا دین بدل لے اسے قتل کر دو۔''

اور آپ نے (یہ بھی) فرمایا:

[لَا يَحِلُّ دَمُ إمرِيِء مُسِلمٍ يَشهَدُ أن لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ أنِّى رَسُولُ اللّٰهِ إلَّا بِاِحدىٰ ثَلٰثٍ۔ الثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفسُ بِالنَّفسِ وَالتَّارِكُ لِدُيِنِه، اَلْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ] [بخاری، مسلم]

''کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینے والے کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین شخصوں کا خون حلال ہے۔ شادی شدہ زانی مرد یا عورت، جان کے بدلے جان (قصاص) اور اپنا دین بدلنے والا (مرتد) اپنی جماعت سے جدا ہونے والا۔''

مبحث سوم: شرعی حدود کے نفاذ کے مقاصد

اللہ تعالیٰ نے جرائم اور رذائل کو ختم کرنے اور معاشرے کو فساد اور گناہوں سے بچانے اور جن بنیادی مفادات کے تحفظ پر آسمانی شرائع نے اجماع کیا ہے ان کی حفاظت کرنے کے لیے، حدود کو مشروع فرمایا ہے اور وہ بنیادی مفادات یہ ہیں:

''دین کی حفاظت، نسل کی حفاظت، جان کی حفاظت، عقل کی حفاظت، مال کی حفاظت، اور یہ ضروریات خمسہ کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان کی فراہمی اور موجودگی کے بغیر لوگوں کی زندگی اور ان کی راست روی ممکن نہیں اور نہ ہی ان کی حفاظت ممکن ہے الا یہ کہ انہیں پامال کرنے والے کے لیے ایسی سزا رکھی جائے جو ان کی

محافظ ثابت ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان جرائم کے ارتکاب سے ڈرانے کے لئے مختلف نوعیت کی انتہائی موثر جھڑکیاں اور دھمکیاں مشروع فرمائی ہیں اور وہ ہر لحاظ سے مکمل اور محکم ہیں۔ چنانچہ اس نے نسب کو پامالی اور ضیاع سے بچانے کے لئے زنا کی حد مشروع فرمائی ہے اور مالوں اور جانوں کو بچانے کے لئے چوری اور ڈاکہ زنی کی حد مشروع فرمائی اور عزت وآبرو اور شہرت کو داغدار ہونے سے بچانے کے لئے قذف کی حد نافذ کرنے کا حکم دیا ہے اور عقلوں کی حفاظت کے لئے شراب نوشی کی حد مشروع فرمائی ہے۔

امام غزالی اسی مطلب کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''منفعت کا حصول اور مضرت کا دفیعہ تخلیق کائنات کے مقاصد میں سے ہے اور مخلوق کی راست روی اور اصلاح ان مقاصد کے حصول میں (مضمر) ہے، لیکن ہم لوگ مصلحت سے مراد، شرع کے مقاصد کی حفاظت لیتے ہیں اور شرع کے مخلوق کے متعلق پانچ مقاصد ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ان کے دین، جان، عقل، مال اور عزت کی حفاظت کی جائے اور جو چیز ان اصولوں (بنیادی مقاصد) کی حفاظت پر مشتمل ہو وہ مصلحت کہلاتی ہے اور جو چیز ان اصولوں (بنیادی مقاصد) کو ضائع کردے وہ مفسدہ کہلاتی ہے اور مفسدہ کو دور کرنا مصلحت ہے اور ان پانچ اصولوں (بنیادی مقاصد) کی حفاظت ضروریات کے رتبہ پر فائز ہے اس بنا پر یہ حفاظت، مفادات کے مضبوط ترین مراتب میں داخل ہے اور اس کی مثال، شرع کا یہ فیصلہ ہے کہ گمراہ کرنے والے کافر کو قتل کردیا جائے اور

بدعت کی طرف دعوت دینے والے کو کڑی سزا دی جائے کیونکہ یہ مخلوق کا دین تباہ کرتے ہیں۔

اور قصاص کو واجب قرار دینے کا فیصلہ (بھی مفادات کے حصول کے) قوی ترین مراتب میں داخل ہے، کیونکہ اس سے لوگوں کی جان کی حفاظت ہوتی ہے اور شراب نوشی کی حد واجب کرنا بھی اس میں داخل ہے کیونکہ اس سے ان عقلوں کی حفاظت ہوتی ہے جو تکالیف شرع کی بنیاد ہیں۔ اور زنا کی حد واجب کرنا بھی اس میں داخل ہے، کیونکہ اس سے نسب اور خاندانی رشتوں کی حفاظت ہوتی ہے۔ دھوکے باز اور چور پر حد واجب کرنا بھی اسی قبیل (کیمیا گری) میں داخل ہے، کیونکہ اس سے ایسے اموال کی حفاظت کرنا مقصود ہے جو لوگوں کی معیشت کا ذریعہ ہیں اور وہ اس کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور محال ہے کہ ملتوں میں سے کوئی ملت اور شرائع میں سے کوئی شرع جس سے مخلوق کی اصلاح مقصود ہو وہ ان امور خمسہ کی حرمت اور ان کی پامالی پر ڈانٹ کو نظر انداز کردے۔ اسی لیے تمام شرائع نے کفر، قتل، زنا، چوری، شراب نوشی کی حرمت پر اختلاف نہیں کیا (اور ساری شرائع ان کے حرام ہونے پر متفق ہیں)[32] یہ ہے اسلامی سزاؤں کی غرض و غایت، جو امام غزالی نے بیان فرمائی ہے۔

اسلام میں عقوبات کے مقاصد کی سادہ سی شکل اور حدود و قصاص اور تعزیرات کی خاص شکل کی تلخیص درج ذیل الفاظ میں بیان کی جاسکتی ہے:

[1] حدود و قصاص اور تعزیرات جیسے اسلامی قوانین سے عظیم مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کو درج ذیل جرائم سے پاک رکھا جائے۔

(ا) حدود کے جرائم، ان کے متعلق گفتگو ہو چکی ہے اور وہ یہ ہیں:

زنا، چوری، ڈاکہ زنی، قذف، بغاوت، شراب نوشی، اسلام سے ارتداد۔

(ب) قتل عمد کے جرائم

(ج) تعزیرات کے جرائم

چنانچہ جب کسی شخص کا دل اسے ان جرائم کے ارتکاب کی راہ دکھاتا ہے تو وہ ان کی حد اور قصاص اور تعزیرات کے نفاذ سے ڈر جاتا ہے اور اس ڈر کے ذریعے اسلامی معاشرے کو امن و امان اور سکون و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سزا کے نفاذ سے دین، جان، مال، عزت اور عقل کی حفاظت ہوتی ہے۔

[2] زمین کی سطح پر عدالت اور مساوات کا قیام اور بندوں سے ظلم و زیادتی کا دفیعہ، شرعی حدود کے نفاذ کے مقاصد کا اہم ٹارگٹ (ہدف) ہے۔ چنانچہ مجرموں پر ان کے جرائم کے مطابق شرعی سزاؤں کے نفاذ سے تمام مسلمانوں کے درمیان عدالت اور مساوات قائم ہوتی ہے اور ان کے درمیان رنگ و نسل، حسب و نسب اور امیری و غریبی کا امتیاز ختم ہوتا ہے۔ حدود کے نفاذ سے مساوات کی حقیقت اس حدیث سے بھی مؤکد ہوتی ہے جس میں ذکر ہے کہ ایک صحابی رسول نے آپ کی خدمت میں مخزوم قبیلے کی چور عورت کے حق میں سفارش کی تو آپ نے فرمایا:

[أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ؟ وَاللّٰهِ لَو أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا] [بخاری]

”کیا تو اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے؟ اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد چوری کر لیتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔“

اور اللہ کی حدوں کے عدم نفاذ میں حدود اللہ کی خلاف ورزی ہے اور یہ ظلم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ [بقرہ : 229]

"یہ اللہ کی حدیں ہیں انہیں مت عبور کرو اور جو لوگ اللہ کی حدوں کو عبور کرتے ہیں وہ ظالم ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ﴾ [طلاق : 1]

"اور جو کوئی اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرے گا اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔"

[3] اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تعلیم خم کرنا اور اس کی اطاعت کرنا

حدود اللہ کے نفاذ کے مقاصد میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی شامل ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حدیں نافذ کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کا حکم نافذ العمل ہے اس لیے اس کی اطاعت واجب ہے۔

علاوہ ازیں یہ حقیقت آفتاب نیمروز سے بڑھ کر آشکارا ہے کہ اللہ کی نافرمانی اور اس کے نازل کردہ فیصلے کی خلاف ورزی ظلم، فسق اور کفر قرار دی گئی ہے۔

[4] حدود شرعیہ کے نفاذ سے قصور وار کے خلاف دلی کدورت سے شفاء ملتی ہے

اور یہ حقیقت قتل، چوری، قذف اور زنا جیسے جرائم پر حد سے آشکارا ہوتی

ہے چنانچہ قاتل سے قصاص لینے سے مظلوم مقتول کے وارثوں کو قاتل سے دلی عداوت اور کینے سے شفاء ملتی ہے۔ اور چوری کی حد سے مال کے وارثوں کو چور کے متعلق بغض و کینہ سے شفاء ملتی ہے اور زنا پر حد نافذ کرنے سے زنا بالجبر کا شکار ہونے والی عورت کے سینے کو شفاء ملتی ہے اور اگر اسے شفاء نہ ملے تو اس کے قریبی رشتہ داروں کے سینوں کی آتش سرد ہو جاتی ہے۔ حدود اور قصاص اور تعزیرات کا نفاذ اسلامی معاشرے کو بغض اور کینے سے شفاء بخشتا ہے جو اسے اپنے افراد کے ہاتھوں وقوع پذیر ہونے والے جرائم سے لاحق ہوتا ہے۔

[5] مجرم کی فہمائش

مجرم پر حدّ کا نفاذ، اس سے اس میل کو دور کر دیتا ہے جس سے مجرم ملوث ہو چکا ہوتا ہے اور اس سے وہ چیز زائل ہو جاتی ہے جو اسے جرم کے ارتکاب پر اکساتی ہے۔ لہٰذا اس پر حد کے نفاذ سے اس کی جان سے پلیدگی کو دور کرنا اور اسے اس خباثت سے پاک کرنا اور اسے فہمائش کرنا مقصود ہے اور اسی مقصد کے لیے حدود اور قصاص اور تعزیرات مشروع قرار دی گئی ہیں اور اصلاح و تہذیب کے میدان کار میں حدود ہی موثر ذریعہ اصلاح ہیں، کیونکہ یہ گھناونے جرائم کو روکنے کے لیے مشروع ہیں۔

[6] گناہوں کا کفارہ

اس دنیا میں جس شخص پر اس کے جرم کی وجہ سے حد یا قصاص یا تعزیر جاری ہوگئی وہ اس کے ارتکاب کردہ گناہ کا کفارہ بن گئی۔ چنانچہ حضرت

عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے اردگرد آپ کے صحابہ کرام کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی، آپ نے ان سے فرمایا:

[بايعوني على ان لا تشركوا بالله شيئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا أولادكم ولا تأتون ببهتان تفترونه بين أيديكم وأرجلكم ولا تعصوا في معروف، فمن و في منكم فاجرهٗ على الله ومن أصاب من ذلك شيئا فعوقب به في الدنيا فهو كفارة له ومن أصاب من ذلك شيئا ثم ستره الله فهو إلى الله، إن شاء عفا عنه وإن شاء عاقبه فبايعناه على ذلك]

[ترمذی]

''کہ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ ہی اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے بہتان گھڑ لیا کرو گے اور نہ نیکی کے کاموں میں سرتابی کرو گے تو جو کوئی تم میں سے اس بیعت کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ پر ہے اور جو کوئی ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوگیا اور اس کی پاداش میں اسے دنیا میں سزا دی گئی تو یہ اس گناہ کا کفارہ بن جائے گی اور جو کوئی ان میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوگیا پھر اس پر اللہ نے پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اگر وہ چاہے تو اسے معاف کردے اور اگر چاہے تو سزا دے دے۔ چنانچہ ہم نے اس پر آپ سے بیعت کر لی۔''

مبحث چہارم: حدود شرعیہ کے خصائص اور امتیازات

حدود شرعیہ چند معین خصائص کی بنا پر دوسری تمام عقوبات سے ممتاز ہیں، ان خصائص کی تلخیص درج ذیل الفاظ میں ممکن ہے۔

[1] حد کی سزا، نوع اور کمیت اور صفت کے اعتبار سے متعین ہے اس بنا پر اسے بدلنا جائز نہیں اور نہ ہی اس میں شارع علیہ السلام کے حوالے سے کمی وبیشی جائز ہے جیسا کہ زانی کے کنوارے یا شادی شدہ ہونے کی بنا پر اس کی سزا کا معاملہ ہے۔ نوع کے اعتبار سے تقدیر یا تعیین کا معنی یہ ہے کہ یہ شارع علیہ السلام کی طرف سے کوڑے یا کاٹنے یا قتل کرنے کی صورت میں متعین ہو چکی ہے۔

کمیت کے اعتبار سے تعیین یا تقدیر کا معنی یہ ہے کہ آپ کی طرف سے کسی جرم کی سزا کے سو یا اسی کوڑے یا اس طرح کی تعداد کی صورت میں مقرر ہو چکی ہے۔

صفت کے اعتبار سے اس کی تعیین یا تقدیر کا معنی یہ ہے کہ اس کے سر عام نفاذ کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس کا مشاہدہ کرنے کے لیے مومنوں کی ایک جماعت حاضر ہوگی، اس بنا پر حاکم کے لیے اس کے نفاذ پر محدود اختیار کے علاوہ کسی چیز کی گنجائش نہیں چھوڑی گئی۔

[2] یہ شخصیتوں کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتی بلکہ اس میں حاکم اور محکوم، امیر اور غریب برابر ہوتے ہیں۔ کیونکہ فرمان نبوی ہے:

[واللہ لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا]

''کہ اللہ کی اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

[3] مجرم پر حد کے نفاذ کی شرط یہ ہے کہ وہ مکلّف ہو اس لیے یہ بچے وغیرہ پر نافذ نہیں کی جاسکتی۔

[4] دانشمند شارع نے حدود کے دروازے کو تین پہلوؤں سے تنگ کر دیا ہے۔

(ا) آپ نے اس کے ثبوت کے راستوں کو تنگ کر دیا ہے اور قرار دیا ہے کہ یہ اقرار سے ثابت ہوگی اور اس اقرار سے رجوع بھی تسلیم کیا جاسکے گا۔ علاوہ ازیں اس کے گواہوں کے بارے میں شرط یہ ہے کہ وہ مرد ہوں اور عادل ہوں اور اس بات کی وضاحت بھی ہوگی کہ وہ چار ہیں یا دو اور اس بارے میں عورتوں کی شہادت قبول نہیں اور نہ ہی ایسے گواہ کی شہادت قبول ہے جو اکیلا ہو اور وہ قسم بھی اٹھائے۔

(ب) آپ نے حدود کو چند جرائم پر محدود کر دیا ہے اور انہیں ان جرائم پر ہی مشروع فرمایا ہے جو ضروریات خمسہ پر زیادتی تصور ہوں کیونکہ شرعاً ان کی حفاظت واجب ہے۔

(ج) آپ نے ان کے نفاذ کے وقت سخت احتیاط برتی ہے۔ چنانچہ آپ نے قرار دیا ہے کہ یہ معتبر شبہ سے ساقط ہوسکتی ہیں۔ مثلاً اس سلسلے میں آپ کا فرمان کہ:

[ادرؤا الحدود بالشبهات] [بخاری، مسلم]

''حدود کا شبہات سے ٹالا کر دیا کرو۔''

اور معتبر شبہ سے مراد وہ شبہ ہے جس کی صلاحیت ایسے قرینے سے ثابت ہو جو اس جانب راجح ہو کہ مجرم کا جرم کرنے میں کوئی عذر تھا۔

[5] علماء کے بیان کے مطابق حدود شرعیہ کے خصائص اور امتیازات میں سے بات یاد رکھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ حد سفارش قبول نہیں کرتی اور امام تک پہنچنے

کے بعد ساقط بھی نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ اب اللہ کا حق بن چکی ہے اور امام یا کوئی دیگر شخص اسے ساقط کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

مبحث پنجم: حدود شرعیہ کے نفاذ میں حکمت اور ان کے نفاذ کے فوائد

بہت سے قدیم اور جدید علماء کرام نے حدود شرعیہ کے نفاذ کی حکمت سے نقاب کشائی کی کوششیں کی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جو کہ نہایت برتر اور بزرگی والا ہے وہ اپنی مخلوق کو کسی حکمت الہیہ کے بغیر تکلیف نہیں دیتا اور اس حکمت کو وہی خوب جانتا ہے۔ اور چند علماء نے حدود کے نفاذ سے حکمت الہیہ آشکارا کرنے کی جدو جہد کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حدود کو جھڑکیوں اور دھمکیوں کی حیثیت سے مشروع فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہوا کہ ان کا قیام یا نفاذ لوگوں کو، جرائم کے ارتکاب سے ڈرنے اور جھجکنے والے بنا دیتا ہے اور وہ اس خوف سے جرائم کے ارتکاب سے بچتے ہیں کہ مبادا ان پر سزا نافذ ہو جائے، اور جن علماء نے حدود کے نفاذ کو جھڑکیوں اور دھمکیوں کے برابر قرار دیا ہے انہوں نے بعض ایسی آیات کریمہ سے استدلال کیا ہے جو ان کے مشروع ہونے کی حکمت سے مربوط ہوئی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ﴾ [بقرہ : 279]

"اور تمہارے لیے قصاص لینے میں زندگی ہے۔"

اور ڈاکہ زنی کی حد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾

[مائدہ : 33]

''یہ تو ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں زبردست عذاب ہے۔''

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ حدود شرعیہ کے نفاذ کی حکمت اور علت یہ ہے کہ وہ تلافیات (Atonement) ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو کوئی شخص حدود کے جرائم کا ارتکاب کرے پھر اس پر حد نافذ ہو جائے تو یہ حد اس کے ارتکاب گناہ کا کفارہ سمجھی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس بات سے بزرگ تر ہے کہ وہ اپنے بندے پر دو سزائیں جمع کرے کہ ایک تو دنیا میں ہو اور ایک آخرت میں۔

ان علماء نے چند احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان میں چند ایک یہ ہیں:

[1] امام مسلم نے حضرت عمران بن حصینؓ سے جہنیہ قبیلے کی عورت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے اس کے متعلق حضرت عمر بن خطاب سے فرمایا:

[أنَّهَا تَابَتْ تَوبَةً لَو قُسِمَت بَينَ سَبعِينَ مِن أهلِ المَدِينَةِ لَو سَعَتهُم][مسلم]

''کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ مدینہ کے ستر آدمیوں کے درمیان تقسیم کردی جائے تو ان کی بخشش کے لیے کافی ہو۔''

[2] امام بخاری نے حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسول کریم ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ کے گرد آپ کے صحابہ کی جماعت بیٹھی تھی۔ آپ نے ان سے فرمایا: ''مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی طرح کا شرک نہ کرو گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے

اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ ہی اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے بہتان گھڑو گے اور نہ ہی نیکی کے کاموں میں سرتابی کرو گے۔ چنانچہ تم میں سے جس کسی نے اس بیعت کو پورا کیا اس کا اجر اللہ پر ہے اور جس کسی نے ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور اسے اس کی بنا پر دنیا میں سزا دے دی گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔''

اصل بات تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی جاننے والا ہے، لیکن (مذکورہ بالا حوالہ جات سے) جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حدود شرعیہ بیک وقت جھڑکیاں بھی ہیں اور تلافیاں (کفارہ) بھی ہیں، کیونکہ بعض بشری نفوس سزا کے بغیر گناہوں سے باز نہیں آتیں اور بعض میں اتنا اثر سزا نہیں کرتی جتنا اثر اچھا وعدہ کرتا ہے، اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ حدود شرعیہ مندرجہ ذیل دو قواعد کے لیے مشروع قرار دی گئی ہیں۔

(ا) یہ لوگوں کو گناہوں کے ارتکاب سے ڈراتی اور دھمکاتی ہیں اور انسانی نفوس فطرتاً نیس اور تکلیف کے ڈر سے جرائم دور رہتی ہیں اور جب انہیں پتہ چل جاتا ہے کہ جرم کا ارتکاب، انہیں تنگی سے جکڑ دے گا تو وہ جرم کے ارتکاب سے رک جاتی ہیں۔

(ب) اگر جرائم کے مرتکبین پر حدود جاری کر کے انہیں سزا دے دی جائے تو ان کے دین میں پڑنے والے شگاف کو بھی پُر کر دیتی ہیں۔

لیکن یہ مقصد اور یہ کفارہ اسی صورت میں متحقق ہوگا جب سزا یافتہ شخص اپنے گناہ پر ندامت کرے اور سچی توبہ کرے جیسا کہ جہنیہ عورت کی حالت سے آشکارا ہوتا ہے کہ وہ توبہ کی غرض سے از خود ہی حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں

پیش ہوئی اور آپ سے درخواست کرنے لگی کہ آپ اس پر حد قائم کریں تا کہ وہ معصیت اور غلطی کی میل سے پاک ہو جائے۔

گذشتہ بحث سے ہمارے سامنے حدود کے نفاذ کی حکمت واضح ہوتی ہے اور اس کے دنیا و آخرت میں بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے چند فائدے یہ ہیں:

[1] ان کا نفاذ امت اور اس کے افراد اور اس کے معاشرتی ادارے کو امن وسکون فراہم کرتا ہے اور ان کے خون کی حفاظت کرتا ہے اور اسے بہنے سے روکتا ہے اور زندگی کو اکارت نہیں ہونے دیتا اور یہ عزتوں کو پامال ہونے اور نسب کو خلط ملط ہونے اور مالوں کو ضائع ہونے یا باطل طریقے سے کھائے جانے سے روکتا ہے اور عقلوں کو مختل یا قتل ہونے سے اور دین کو ٹھٹھا مذاق بنانے سے روکتا ہے۔

[2] ان کے نفاذ کی وجہ سے جرائم کے کم ہونے یا ان کے ترک ہونے اور ان سے اجتناب برتنے کی وجہ سے امن وامان کا دور دورہ ہوتا ہے اور انسانی نفوس سکھ کا سانس لیتی ہیں اور ایسے ثمر آور، اور پیداواری عمل کی طرف متوجہ ہوتی ہیں جو امت کی چراگاہوں میں خوش حالی پھیلا دیتا ہے۔ چنانچہ ان کے رزق وسیع ہو جاتے ہیں اور برکت بڑھ جاتی ہے اور لوگوں کے لیے اللہ کے وسیع فضل سے رزق تلاش کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ تو دنیاوی فائدے ہیں جن کا آنکھوں کے ساتھ مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن ملکوں میں حدود شرعیہ کا نفاذ ہے، ان میں امن عام ہو گیا اور خوش حالی بڑھ گئی اور نعمتوں کی سرتاپا فراوانی ہونے لگی۔ اور جن ملکوں میں حدود اللہ قائم نہیں کی جاتیں، ان میں سراسیمگی اور خوف اور بدامنی کو فروغ ملتا

ہے اور بھلائی کم ہو جاتی ہے اور برکت اٹھ جاتی ہے اور ان کے باشندوں کا رزق تنگ ہو جاتا ہے اور پریشانیاں اور بے چینیاں بڑھ جاتی ہیں۔

اس بات کا مصداق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَأَنْ لَوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُمْ مَاءً غَدَقًا﴾ [جن : 16]

''اور اگر یہ لوگ سیدھی راہ پر قائم رہتے تو ہم ان کو بے انتہا اور فراواں پانی پلاتے۔''

اور حضرت رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

[حَدٌّ يُعمَلُ بِهِ فِي الأرضِ خَيْرٌ لِأَهلِ الأرضِ مِن أن يُمطِرُوا أربعينَ صَباحاً]

''جس زمین میں حد پر عمل درآمد کیا جائے وہ حدّ اہل زمین کے لیے چالیس روز کی بارش سے بہتر ہے۔''

باقی رہے وہ فوائد جو آخرت میں لوگوں پر لوٹیں گے وہ اللہ کی خوشنودی اور اس کے ثواب کی صورت میں ہوں گے کیونکہ حدود کے نفاذ میں اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی اطاعت ہے اور اللہ کی خوشنودی اور اس کے اجر وثواب کے حصول کے لیے جو بہتر عمل اس کی بارگاہ میں پیش کیا جاسکتا ہے وہ اس کی عبادت اور اطاعت ہے۔

مبحث ششم: حدود شرعیہ سے بے اعتنائی اور انہیں ملتوی کرنے کے نقصانات

جب حدود اللہ ضائع کردی جائیں یا انہیں ساقط کردیا جائے یا ان کے نفاذ میں دولت مند اور نادار کے درمیان فرق کیا جائے یا ان کے متعلق سفارش کرنے

والوں کی سفارش قبول کی جائے تو اس پر بڑی مضرتیں اور خطرناک خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ان میں سے اہم خرابیاں یہ ہیں:

[1] اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام کردہ کاموں پر لوگوں کی جرأت اور اس کے بندوں کے حقوق کی پامالی، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے حرام کردہ کاموں کے ارتکاب یا اس کی مخلوق کے روحانی یا مادی حقوق پر زیادتی کی وجہ سے غضبناک ہوتا ہے۔

[2] جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور اس کے حرام کردہ کاموں کے ارتکاب کی جرات کرے اور اس کے بندوں کے حقوق پامال کرے وہ اللہ اور اس کے رسول کا دشمن بن جاتا ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا دشمن بن جائے وہ ذلت اور خواری کی قید میں چلا جاتا ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴾

[مجادلہ : 25]

"بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول سے عدوات رکھتے ہیں وہ خوار لوگوں میں ہیں۔"

جو شخص اللہ کی حدود کو معطل کرے اور بشری قوانین کے مطابق حکم دے وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا فاسق ہے اور اللہ کی شریعت کا منکر ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسول کا دشمن اور شیطانی گروہ کا طرفدار ہے اور جو کوئی شیطانی گروہ کا طرفدار بن جائے وہ ذلت اور دھتکار کے گڑھے میں لڑھک جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۗ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ

أَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ﴾ [اعراف: 30]

''اور ایک فریق پر ضلالت و گمراہی برحق ہو چکی ہے کیونکہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا کارساز بنا لیا اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔''

[4] اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اس نے معصیت اور مصیبت کو سببیّت اور مسببیّت کی رسی سے ایسے باندھ دیا ہے جیسے اس نے اطاعت اور نعمت کو باندھ دیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ حدود اللہ کا التواء ایسے عظیم گناہوں میں سے ہے جو دنیا وآخرت کے دکھوں میں دھکیل دیتا ہے۔

[5] جب امت حدود اللہ کے نفاذ سے رُک جائے اور اس کے حرام کردہ کاموں کا دلیری سے ارتکاب کرنا شروع کر دے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو پس پشت ڈال دے اس پر یوں لعنت پڑ جاتی ہے جیسے بنی اسرائیل پر لعنت پڑ گئی تھی۔

[6] جس معاشرے میں حدود شرعیہ پر عمل درآمد نہیں ہوتا اس پر غربت اور درماندگی مسلط ہو جاتی ہے اور وہ معاشرہ دو طرح کے لوگوں سے تشکیل پاتا ہے۔ تیسری طرح کے لوگ اس میں موجود نہیں ہوتے یا تو مجرم لوگ جو اپنے رب کے احکام کے باغی اور امت و معاشرے کے مفادات کے خائن ہوتے ہیں. یا ناتواں منافق اور ڈرپوک جو خیر کا حکم نہیں دیتے اور برائی سے نہیں روکتے اور ان دونوں عناصر سے تشکیل شدہ معاشرے سے فلاح کی امید نہیں رکھی جا سکتی اور نہ ہی اس کے لیے احترام اور خراج تحسین کی توقع کی جا سکتی ہے۔

[7] اللہ کی حدود کو معطل کرنے کا حتمی نتیجہ، کچل دینے والے دکھوں اور مٹا دینے

والے ہولناک حادثات اور خوفناک کشمکش، بلکہ جماعتوں اور گروہوں کے درمیان مہلک ٹکراؤ کی صورت میں نکلتا ہے۔ لہٰذا اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حدود اللہ کے التواء کے خطرناک اثرات معشیت کی تنگی اور زندگی میں بے برکتی اور معاشرے کے بھیانک انجام کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔

مبحث ہفتم: جس معاشرے میں حدود شرعیہ کا نفاذ کیا جاتا ہے، اور جس میں نہیں کیا جاتا کے درمیان موازنہ۔

جس معاشرے میں حدود شرعیہ کا نفاذ کیا جاتا ہے اور جس معاشرے میں نفاذ نہیں کیا جاتا، ان کے درمیان موازنہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان حدود شرعیہ کا موازنہ، جنہیں اللہ نے معینہ جرائم کے لیے وضع فرمایا ہے، ان سزاؤں سے کیا جائے جنہیں انسان نے ان کے متبادل وضع کیا ہے۔ اگرچہ ہم اس بات کو معتبر سمجھ کر تھامنے والے ہیں کہ حدود شرعیہ کا شارع اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے اور اس کی مشروع کردہ حدود کا موازنہ کسی صورت میں بھی ان سزاؤں سے نہیں کیا جاسکتا جو انسان نے مشروع کی ہیں، لیکن ہم یہاں اس غرض سے یہ موازنہ پیش کررہے ہیں کہ جرائم کا قلع قمع کرنے کے سلسلے میں انسان کے وضع کردہ قوانین پر اسلامی شریعت اور اس کی حدود کی فوقیت آشکارا ہوجائے۔ لیکن طوالت کے خوف کے پیش نظر ہم اس موازنہ میں بعض سوالات اٹھانے پر اکتفاء کریں گے جو اپنے جوابات پر دلالت کرتے ہیں، ہم ابتدا اس موازنے میں اس حقیقت کا اقرار کرنے والے ہیں کہ (دونوں کے درمیان غیر معمولی ہی نہیں، بلکہ مشرق ومغرب کا) فرق ہے، کیونکہ حدود شرعیہ کا نفاذ یا کم از کم حد کا نفاذ جرم کو ختم کرنے کا

ضامن ہے اور اس کے برعکس انسان کی وضع کردہ سزائیں مطلوبہ مقصد حاصل کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہیں بلکہ بسا اوقات ان کی بدولت معاملہ مزید خراب ہوگیا اور لوگوں نے جرائم کے وہ طریقے اور گر جان لیے جو وہ پہلے نہیں جانتے تھے۔ یہاں آدمی سوال کرتا ہے؟

- کیا چور یا باغی یا ڈاکو، کو انسانی قوانین کی طے کردہ روایتی قید کی سزا دینا، اسے چوری کرنے یا اس کے دوبارہ ارتکاب کرنے سے روک سکا ہے یا وہ جیل میں اپنے ساتھیوں سے دست درازی اور چوری کرنے کے دیگر ذرائع اور طریقے سیکھ لیتا ہے جو وہ جیل سے باہر آسانی سے نہیں سیکھ سکتا تھا؟
- کیا مجرموں کو چند درہم یا پونڈ یا ڈالر جرمانہ کر دینا، دوسروں کے حقوق کا احترام کرنے والا بنا دیتا ہے' کہ وہ اب نہ تو عزتوں کی پامالی کرتے ہیں اور نہ دین کو گالی دیتے ہیں اور نہ وہ پاکدامن پر بہتان لگاتے ہیں اور نہ وہ مرغوب مال چوری کرتے ہیں؟
- کیا نشے باز یا منشیات فروش کو قید کی سزا نے اخلاقی اعتبار سے درست کر دیا ہے اور اس کی حالت سنواردی ہے اور اسے اس کی حد پر کھڑا کر دیا ہے؟ تجربات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ قیدی جیل سے طرح طرح کے جرائم سے آگاہی اور ان میں مہارت حاصل کر کے باہر نکلتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن سزاؤں اور حدوں کو اللہ نے فرض کیا ہے انہیں کوئی رکاوٹ پلٹا نہیں سکتی اور جن ملکوں میں حدود نافذ ہیں اور جن میں نافذ نہیں ہیں ان کے حالات اس حقیقت کی بہتر دلیل اور روشن برہان ہیں اور اسی حقیقت کو نمایاں کرنے کی غرض سے ہم ان ممالک کے معاشروں کے درمیان موازنہ کرتے

ہیں جہاں حدیں نافذ ہیں اور جہاں نافذ نہیں ہیں۔

[1] جس ملک میں حدود شرعیہ نافذ ہوتی ہیں اس میں انسان نفسیاتی سکون، قلبی طمانیت، فراواں امن محسوس کرتا ہے، وہ اپنی تجارت گاہ یا اس کے دروازے کو کھلا چھوڑ دیتا ہے یا اپنے سامان یا مال کو ننگا چھوڑ دیتا ہے اور اپنے بعض اُمور کو نپٹانے یا نماز ادا کرنے یا کسی اور کام کو سرانجام دینے کے لیے چلا جاتا ہے۔ چنانچہ نہ تو کوئی خائن ہاتھ اس کے مال کی طرف بڑھتا ہے اور نہ ہی کوئی ٹیڑھی آنکھ اسے دیکھتی ہے اور بسا اوقات اس کا مال اس کے ہاتھ سے گر پڑتا ہے یا وہ کسی گاڑی یا کسی اور جگہ بھول آتا ہے تو ریڈیو اسے اطلاع دیتا ہے یا اخبارات وغیرہ اسے نشر کر کے اس کے غم کو دور کر دیتے ہیں یا اس کی گم شدہ چیز کو واپس کر دیتے ہیں (اور اس ملک میں) انسان وسیع و عریض صحراء میں سفر کرتا ہے اور بسا اوقات دوسرے ملکوں میں اس کے وافر مال کو رکھنے کی گنجائش بھی نہیں ہوتی وہ اپنے ساتھ حسب ضرورت اپنا مال اٹھائے رکھتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوتا۔

اس کے برعکس جس حکومت میں حدود اللہ نافذ نہیں ہوتیں اس میں انسان نہ تو نفسیاتی طمانیت محسوس کرتا ہے اور نہ ہی قلبی سکون، وہ اپنے دروازے کو کھلا اور مال کو ننگا نہیں چھوڑ سکتا، اور جس معاشرے میں حدود اللہ نافذ نہیں کی جاتیں اس میں یہ بھی بعید نہیں کہ مجرم کو دن دیہاڑے اپنے شکار پر دست درازی کرتے دیکھا جائے اور اکثر راستوں میں گزرنے والوں کا رش بھی ہو اور اسے کوئی روکنے والا نہ ہو۔ یہ ایسی صورت حال ہے جو انسان کو اپنے دین، اپنی جان، اپنے مال، اپنی آبرو اور اپنی عقل کے بارے میں بے چین کیے رہتی ہے۔

[2] جس معاشرے میں حدود اللہ نافذ کی جاتی ہیں وہ معاشرہ قول میں عفت اور معاملے میں امانت اور بے حیائی کے انکار اور اس سے دوری سے متصف ہے اور اس چیز سے فائدہ اٹھانے کی رغبت رکھتا ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہے اور اس چیز سے بچنے کے لیے کوشاں ہے جسے اللہ نے حرام کیا ہے (مزید برآں) جس معاشرے میں حدود شرعیہ نافذ ہیں وہ گھنے سایہ دار نخلستان کی حیثیت رکھتا ہے اس میں پُرسکون زندگی اور رزق کی فراوانی ہوتی ہے اور الفت و اُخوت کا دور دورہ ہوتا ہے اس میں ہر انسان اپنے کام کی طرف جاتا ہے اور کسب حلال کے ذریعے کما کر لوٹتا ہے اور اس کے ملک اور معاشرے پر امن و امان اور سکون و اطمینان کی فضا ہوتی ہے۔ اسی دوران ہم دیکھتے ہیں کہ وہ معاشرہ جس میں حدود کا نفاذ نہیں ہوتا وہ مکمل طور پر اپنی اقدار اور روایات اور امن و اخلاق میں اس کے الٹ ہوتا ہے۔

چنانچہ ہم جرائم کے قلع قمع کے سلسلے میں حدود کے نفاذ کی کارکردگی کی سطح پر مزید روشنی ڈالنے کی غرض سے اس فصل کے اخیر میں تجربہ اور اعداد و شمار پیش کریں گے جو حدود شرعیہ کے نفاذ کے فوائد کی سطح کو روشن کردے گا۔ جہاں تک تجربے کی بات ہے تو اس سلسلے میں، میں عبدالقادر عودہ شہید کی کتاب (التشریع الجنائی الاسلامی) کی عبارت نقل کروں گا، وہ فرماتے ہیں:

"اور جب کہ اسلامی شریعت نے جرم اور بدعنوانیوں کے قلع قمع کے لیے سزائیں تجویز کی ہیں تو اس معاملے میں اسلامی شریعت کی صلاحیت اور سیکولر قوانین پر اس کی فوقیت کو ثابت کرنے کے لیے صرف اتنی سی بات کافی نہیں بلکہ اس کے بعد یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ یہ سزائیں جرائم کو ختم کرنے کے لیے کافی ہیں، کیونکہ اس معاملے میں وسائل یا اغراض و مقاصد کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ

اعتبار تو اس بات کا کیا جائے گا کہ جن اغراض و مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے وسائل وذرائع (حدود شرعیہ) کا نفاذ عمل میں لایا جاتا ہے وہ کارگر ہیں۔

وجہ یہ ہے سیکولر قوانین کا مقصد بھی جرائم کا قلع قمع کرنا ہے اور اس مقصد کے لیے اس نے معین سزائیں بھی مقرر کی ہیں لیکن وہ جرائم کو ختم کرنے میں ناکام ثابت ہوئیں۔ اب صرف تجربہ واحد معیار ہے جو کرائمز قوانین کی قدر و قیمت کو ظاہر کرے گا اور اس خوشنما گفتگو کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جو ایک مرتبہ صحیح ہوتی ہے اور دوسری مرتبہ خائب وخاسر ہوتی ہے۔

اور جب میں یہ بات کہتا ہوں تو کوئی نئی بات نہیں کہتا، بلکہ میں اسی بات کو دہراتا ہوں جو سیکولر قانون دانوں نے اپنی انٹرنیشنل لاء یونین کانفرنس میں متفقہ طور پر کہی ہے، انہوں نے قرار دیا ہے کہ بہترین کریمنل سسٹم وہ ہے جو جرائم کو روکنے کے معاملے میں عملی طور پر مثبت نتائج فراہم کرے اور اس مطلوبہ سسٹم کی خوبیوں کو نمایاں کرنے کی واحد گارنٹی تجربات ہی ہیں اور جدید تجربات نے اچھے کریمنل سسٹم کے متعلق اپنا رزلٹ دے دیا ہے اور یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ مطلوبہ مقاصد کے لیے بہترین رزلٹ دینے والا قانون اسلامی قانون ہی ہے اور جن تجربات کے لیے اسلامی شریعت کی سزاؤں کو آزمایا گیا وہ دو طرح کے ہیں:

[1] کلی تجربہ

[2] جزئی تجربہ

[1] کلی تجربہ: یہ تقریباً بیس سال قبل مملکت حجاز میں شروع ہوا، جہاں اسلامی شریعت کو مکمل طور پر نافذ کردیا گیا اور یہ امن و امان اور نظم ونسق قائم کرنے اور

جرائم کو ختم کرنے میں بے مثال حد تک کامیاب ہوا، اور لوگ اب تک یاد کرتے ہیں کہ ارض حجاز میں امن و امان کس قدر خراب تھا، بلکہ سرزمین حجاز کثرت جرائم اور سنگدلانہ جور و جفا میں ضرب المثل بن گئی تھی چنانچہ اس سرزمین میں مسافر لوگ بھی مقیم لوگوں کی طرح اپنے مال اور اپنی جان کے سلسلے میں فکرمند رہتا تھا جنگل میں بھی اور شہر میں بھی، رات کو بھی اور دن کو بھی، اور حکومتیں اپنی رعایا حاجیوں کی سلامتی اور ان پر زیادتیوں کی روک تھام کو یقینی بنانے کے لیے ان کے ساتھ مسلح فورسز بھیجا کرتی تھیں اور یہ سپیشل فورسز اور حجازی ملٹری فورسز بھی امن و امان لوٹانے اور بدوؤں کی سرکشی اور خودسری کو لگام دینے، اور انہیں حاجیوں یا حجازی رعایا کو لوٹنے اور انہیں یرغمال بنانے اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے سے باز نہ رکھ سکیں اور امن و امان کے ذمہ داران سرزمین حجاز میں لوگوں کی اکثریت کی حفاظت کرنے میں بری طرح ناکام رہے یہاں تک کہ وہاں اسلامی شریعت نافذ ہوگئی (بس شریعت کا نافذ ہونا تھا کہ) دن اور رات کے اندر اندر حالت بدل گئی اور سرزمین حجاز میں امن وامان کا دور دورہ ہوگیا اور مقیم لوگوں اور مسافروں میں اطمینان وسکون عام ہوگیا اور لوٹ گھسوٹ اور ڈاکہ زنی کا دور ختم ہوگیا اور قدیم جرائم قصہ پارینہ بن گئے اور آج وہ شخص جس نے وہ دور نہیں پایا، یا اس کا مشاہدہ نہیں کیا وہ اس طرح کی بدامنی اور لوٹ گھسوٹ پر یقین کرنے کو تیار نہیں۔

قبل ازیں وہ لوگ جو سرزمین حجاز میں بھیانک جرائم کی خبریں سنتے تھے آج امن وامان کے استحکام کی عجیب وغریب خبریں سننے لگے ہیں کہ یہ شخص اپنی نقدی کی تھیلی شارع عام میں گم کر آیا اور ابھی پولیس اسٹیشن تک اپنی شکایت لے کر پہنچنے نہ پایا تھا کہ وہ اپنی تھیلی کو اسی حالت میں پالیتا ہے جس میں وہ گم ہوئی تھی وہ

اس کے سامنے اس غرض سے پیش کی گئی کہ اس کے مالک کا پتہ چل جائے اور یہ شخص راستے میں اپنی لاٹھی چھوڑ جاتا ہے تو اس وقت تک ٹریفک رک جاتی ہے جب تک پولیس مین اسے اس جگہ سے اٹھا نہ لے۔ اور یہ شخص اپنا سامان گم کر بیٹھتا ہے اور اس کی واپسی سے مایوس ہو جاتا ہے اور اس کے متعلق وہ کسی کو اطلاع بھی نہیں دیتا۔ لیکن وہ پولیس والوں کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کے مالک کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔

یہ سب کچھ اس عہد کے بعد کی بات ہے جب داخلی فورسز کی عظیم تعداد بھی ان چیزوں کی حفاظت میں ناکام ہو چکی تھی اور خارجی فورسز کی بہت بڑی تعداد بھی، لیکن آج کل مٹھی بھر مقامی پولیس کے ذریعے ہی امن و امان محفوظ ہو گیا ہے یہ ہے کلی تجربہ اور یہ اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ شریعت اسلامیہ کا کرائمز کنٹرول سسٹم عملی طور پر جرائم کی جڑ کاٹنے پر منتج ہے اور یہی وہ سسٹم ہے جس کی بین الاقوامی قانونی یونین کو ضرورت ہے۔ (الی آخرہ)

اور جب ان اعداد و شمار کو دیکھا جائے جو مملکت سعودی عربیہ کی وزارت داخلہ نے جاری کیے ہیں تو ان سے وضاحت کے ساتھ وہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے جو اسلامی شریعت اور اس کی سزاؤں کے نفاذ سے دینی اور دنیاوی کامیابیوں کی صورت میں مطلوب تھی۔ مثلاً 1408ھ میں پورے سعودی عرب میں چھوٹے موٹے کیسز کی تعداد اکیس ہزار پانچ سو تیرہ تک پہنچی اور ان کیسوں کے مرتکبین کی تعداد بائیس ہزار تین صد سرسٹھ تھی۔ ان میں اڑتیس 38 فیصد تعداد غیر ملکیوں کی تھی اور کیسز کی مذکور تعداد ان میں مرتکبین جرائم کی تعداد نشان دہی کرتی ہے کہ یہ جرائم انفرادی سطح پر رونما ہوئے اور گروہی یا تنظیمی سطح پر نہیں ہوئے۔

مزید برآں ان میں مختلف طرح سے قتل یا کوشش قتل یا دھمکی قتل اور اغواء جیسے خطرناک قسم کے جرائم کی تعداد مجموعی طور پر دو 2 فیصد تھی لیکن یہ جرائم جو ہم وطنوں اور مملکت کی فورسز کو عام سطح پر بے قرار کرتے ہیں جب ان کا موازنہ دیگر آباد ریاستوں یا علاقوں میں ہونے والے جرائم سے کیا جائے گا تو ان کے مقابلے میں یہ تھوڑی تعداد میں ہیں حالانکہ ان ملکوں کے عوام مکمل طور پر نظم ونسق اور امن و امان کے خوگر ہیں اور یہ جرائم جو مملکت سعودیہ عربیہ میں رونما ہوئے یہ اس ملک میں نفاذ شریعت میں خلل کی بنا پر رونما نہیں ہوئے بلکہ ان کا سبب ایمانی کمزوری اور مرتکبین کی اخلاقی پستی اور ان کے ذکر الٰہی سے اور اسلامی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہیں۔ اگر ان جرائم کا موازنہ دنیا کے دیگر ممالک میں رونما ہونے والے جرائم سے کیا جائے گا تو ہمیں واضح فرق نظر آئے گا (اور یہ حقیقت سامنے نظر آئے گی کہ) وہ جرائم جو سعودی عرب میں رونما ہوتے ہیں وہ اپنی نوعیت، حجم اور تعداد میں دیگر ممالک میں رونما ہونے والے جرائم سے بڑا فرق رکھتے ہیں اور ہمارے ملک میں جرائم کا تناسب کافی کمزور ہے جو سعودی عرب کے باشندوں کے لیے خطرہ کی صورت نہیں رکھتے۔ چنانچہ سعودی عرب میں باشندوں کے جرائم کی شرح ہزار میں 32 فی صد ہے جبکہ دنیا کے دیگر ممالک میں وہاں کے باشندوں کی شرح ہر ہزار میں سے اس طرح ہے۔

[1] سپین: 77,26	[2] مغربی جرمنی: 41,71
[3] اٹلی: 20,08	[4] ڈنمارک: 60,52
[5] فرانس: 32,27	[6] آسٹریلیا: 75,00
[7] کینیڈا: 75,00	[8] کوریا: 12,42

[9] گھانا: 10,72 [10] کینیا: 4,74

[11] انڈونیشیا: 1,47

چنانچہ سعودی عرب قلت جرائم اور اپنی دہلیزوں پر امن و سکون کے استقرار کی وجہ سے اقوام عالم میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالخصوص مثالی مملکت ہے حالانکہ اس کی سرحدیں طویل اور آبادکاری وسیع ہے اور باوجود اس کے کہ اس میں ہر سال کئی ملین حاجی آتے جاتے ہیں۔

چنانچہ اس نے جرائم کو ختم کرنے میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے عمدہ تجربے کی مثال قائم کردی اور وہ سایہ دار امن و امان قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا جس سے شہر اور بستیاں، سرسبز جنگلات اور لق و دق صحراء مستفید ہورہے ہیں اور اس نے معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے قیام میں شاندار پیش رفت کر دکھائی۔[34]

اور ہمارے اس جائزے کے آخر میں، جو ہم نے شرعی حدود کے قیام اور ان کے مقاصد اور خصائص اور ان کے قیام پر مرتب ہونے والے فوائد اور انہیں معطل کرنے کے نقصانات کے سلسلے میں پیش کیا ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ حدود شرعیہ کا قیام:

[1] جرائم کو ختم کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں اور تجربہ اس بات کی شاندار دلیل ہے۔

[2] جب 'جرم' کا قلع قمع ہوگیا یا وہ دم توڑ گیا تو امن و امان قائم ہوگیا اور ملکوں میں سکون و اطمینان کی روح فراواں ہوجاتی ہے۔

[3] جہاں جرائم اور وارداتیں کم ہوجاتی ہیں وہاں کام کرنے والے ہاتھ وافر ہوجاتے ہیں اور وہ ظلم و زیادتی اور قتل و غارت کی بجائے صنعت و حرفت کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں۔

[4] اس کی بدولت خوش حالی بڑھ جاتی ہے اور ملکوں کے وسائل رزق وسیع ہوجاتے ہیں اور اس مفہوم کی واقعی تصدیق ہوجاتی ہے کہ حدود کا قیام بلاد اور عباد (ملکوں اور بندوں) کے لیے چالیس روز کی بارش سے بہتر ہے۔

[5] اس طرح معاشرہ پر سکون ہوجاتا ہے، اس میں پریشانیاں اور ہنگامے نہیں ہوتے۔

[6] امت سعادت مند ہوجاتی ہے، حکام بھی اور محکومین بھی، اس بنا پر کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور اس بات میں ان کے لیے پاکیزہ زندگی ہے۔

﴿ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ﴾ [الانفال : 24]

''اے ایمان والو! جب اللہ اور اس کا رسول تمھیں ایسے کاموں کے لیے بلائیں جو تمھیں پاکیزہ زندگی عطا کریں تو ان کے لیے سر تسلیم خم کردیا کرو۔''

[7] مزید برآں حدود کا قیام، اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ایک قسم سمجھا جائے گا، کیونکہ اس کے حکم کی تعمیل ہے اور اس کی شریعت کو حاکم تسلیم کرنا ہے اور یہ عبادت ہی تو وہ بلند مقصد ہے جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو پیدا فرمایا ہے قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ [ل : 5]

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

[8] منفعت بخش اضافی بات یا ایسا نصاب جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے وہ یہ

کہ حدود کا قیام،

(ا) زندگی کے حق کے احترام اور خون ریزی کی بندش۔

(ب) نسب کے بچاؤ اور عزتوں کی طہارت۔

(ج) پراپرٹی اور جائیداد کو ظلم و زیادتی سے بچانے۔

(د) عقل و خرد کو خلل اور اخلاق کو فساد سے محفوظ رکھنے۔

(ہ) دین کی تعظیم و تکریم اور ان چیزوں کی تقدیس کا ذریعہ ہے جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کی تکریم کی جائے۔

چھٹی فصل

اسلام میں انسانی حقوق کے متعلق پھیلائے گئے بعض شبہات کا ازالہ

[اور اہم شبہات یہ ہیں:]

[1] پہلا شبہ: یہ گمان کہ اسلامی شریعت جامد ہے اور یہ دور حاضر کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہے۔ اور اس کا نفاذ انسانی حقوق سے ٹکراتا ہے۔

[2] دوسرا شبہ: یہ گمان کہ چوری کی حد سنگدلی ہے۔

[3] تیسرا شبہ: یہ گمان کہ زنا کی حد میں سنگدلی ہے اور شخصی آزادی پر زیادتی ہے۔

[4] چوتھا شبہ: یہ گمان کہ حد قذف سخت اور موجودہ تہذیب کے لیے مناسب نہیں۔

[5] پانچواں شبہ: یہ گمان کہ نشے کی حد، انسانی حقوق اور شخصی آزادی کے خلاف ہے۔

[6] چھٹا شبہ: یہ دعویٰ کہ ارتداد کی حد سنگدلی ہے اور انسانی حقوق کے منافی ہے۔

[7] ساتواں شبہ: یہ دعویٰ کہ ڈاکہ زنی کی حد سنگدلانہ ہے۔

[8] آٹھواں شبہ: یہ گمان کہ بغاوت کی حد سخت ہے۔

[9] نواں شبہ: یہ گمان کہ مسلمان عورت کی غیر مسلم سے شادی کی ممانعت انسانی حقوق سے ٹکراتی ہے۔

تمہید...... اسلام میں انسانی حقوق کے متعلق اٹھائے گئے بعض شبہات کے جوابات

مشرق اور مغرب کے دشمنانِ اسلام ہر ذریعے اور ہر اسلوب میں اسلام کا حلیہ بگاڑنے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں، ان ذرائع میں ایک ذریعہ، اسلامی شریعت کے نفاذ اور عام شکل میں اس کی صلاحیت اور خاص شکل میں اس کی حدود کے قیام کے شبہات کو اُچھالنا ہے، وہ ظلم و زیادتی کرتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی شریعت، جس کے احکام چودہ صدیوں سے زائد عرصہ قبل نازل شدہ ہیں، کا نفاذ انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور اس کی شخصی آزادیوں پر زیادتی ہے۔

چونکہ یہ مضمون اسلام میں انسانی حقوق کے متعلق اٹھائے گئے تمام شبہات کے ردّ کی گنجائش نہیں رکھتا، اس لیے ہم عمومی انداز میں اس شخص کے خیال باطل کے ردّ پر اکتفاء کریں گے جو کہتا ہے کہ ہمارے دور حاضر میں اسلامی شریعت، نفاذ کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ علاوہ ازیں تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ، حدود شرعیہ کے قیام کے متعلق اٹھائے گئے شبہات کا بھی ردّ کریں گے اور اس بات کی وضاحت بھی کریں گے کہ ان حدود کے نفاذ میں سنگدلی نہیں ہے بلکہ انہیں نافذ کرنے میں رحمت اور عدل ہے اور ہم اس فصل کو اس خیال باطل پر مبنی شبہے کے ردّ پر ختم کریں گے کہ مسلمان عورت کی غیر مسلم مرد سے شادی کی حرمت میں شخصی آزادی پر زیادتی ہے۔

پہلا شبہ: یہ گمان کہ اسلامی شریعت نفاذ کی اہلیت نہیں رکھتی

دشمنان اسلام کہتے ہیں اسلامی شریعت، جس کے احکام چودہ صدیوں سے

زائد عرصہ قبل نازل ہوئے تھے، کا نفاذ انسانی حقوق سے متصادم ہے۔ کیونکہ شریعت (ان کی نظر میں) جامد ہے ترقی یافتہ نہیں ہے اور ترقی یافتہ انسان کے مفادات کی خاطر اس میں ترمیم یا تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔

ہم اس گمان پر ردّ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ان لوگوں پر یہ حقیقت پوشیدہ رہی کہ اسلام دین بھی ہے اور دنیا بھی اور اس نے جس طرح بندے اور رب کے درمیان تعلق جوڑنے کا اہتمام کیا ہے اس طرح اس نے فرد اور اس کے انسان بھائی کے درمیان اور اس معاشرے اور اس کی امت کے درمیان تعلق جوڑنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ اس بنا پر اسلام، جتنے شرعی احکام لایا ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم کا تعلق بندے کا اپنے رب کے ساتھ رابطہ سے ہے مثلاً عقیدہ وایمان ،عبادات اور مواریث اور یہ عبادات متعین ہیں۔ یہ وقت اور جگہ کے بدلنے سے تبدیل نہیں ہوتیں اور ان کے احکام مفصل ہیں ان میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے اس قسم پر عبادات کے نام کا اطلاق کیا گیا ہے۔

دوسری قسم، اس کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے جو بندون کے باہمی تعلقات سے متعلق ہیں، احکام کی یہ نوع ترقی پذیر ہے اور وقت اور جگہ بدلنے سے بدلتی رہتی ہے اور پھر اس کے احکام مشترک اور غیر مفصل ہیں اور ان کی تفصیل ہر دور کے مسلمان حکمران کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ اسلامی مملکت میں مشترک مفاد کے تقاضے کے مطابق ان کی تفصیل بیان کرے اور اس کی مثال یہ ہے کہ:

شریعت نے شوریٰ اور عدالت کا اُصول مقرر کیا ہے لیکن شوریٰ اور عدالت

کے قیام کی کیفیت کی تفصیل بیان نہیں کی تاکہ مصلحت کے موافق اس کی تعیین کی جاسکے اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسلامی شریعت کا مقصد لوگوں پر آسانی کرنا ہے تاکہ اللہ کی شریعت ہر دور اور ہر جگہ کے لیے موزوں ہو۔

دوسرا شبہ: یہ گمان کرنا کہ چوری کی حد سنگدلانہ ہے

اسلامی شریعت کے دشمن کہتے ہیں کہ چوری کی حد کے نفاذ میں سنگدلی ہے اور انسان کی عزت و آبرو کی پامالی اور اس کی بدنامی کا باعث ہے اور اس کے اعضاء کاٹنے کے مترادف ہے اور یہ کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا ہمارے اس دور کے لیے سازگار نہیں، کیونکہ انسانیت اور تہذیب کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی ہے۔ اس شبے کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ

"چوری کی حد، ان حدود میں سے ہے جو کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا:

﴿ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴾ [مائدہ : 38]

"اور چور مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دو یہ بدلہ ہے جو انہوں نے کمایا اور سزا ہے ان کی اللہ کی طرف سے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

اور حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

[لَا تُقطَعُ یَدُ السَّارِقِ اِلَّا فِی رُبعِ دِینَارٍ فَصَاعِدًا] [متفق علیہ]

"کہ چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے الا یہ کہ وہ چوتھائی دینار یا اس سے زائد

چوری کر لے۔"

امت نے چور کے ہاتھ کاٹنے کے وجوب پر اجماع کیا ہے اور اس حد کا نفاذ، حضرت رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین اور بعد والی اسلامی مملکتوں کے دور میں تسلسل کے ساتھ جاری رہا ہے۔

اس بنا پر چوری کی حد کا نفاذ، شرعی طور پر واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے نفاذ کا حکم دیا ہے۔ البتہ ملحدین چوری کی حد کے خلاف شبہ پھیلاتے ہیں اور قرآن کے احکام پر اعتراضات کرتے ہیں اور کہتے ہیں: "اگر ہم چوری کی حد نافذ کریں تو نصف معاشرے کو بدنما کر بیٹھیں گے اور ابناء بشریت کی بہت بڑی تعداد کی صلاحیت کار کو مفلوج کر دیں گے اور ایسے بے کار اور مفلوج لوگوں کا لشکر جرار دیکھیں گے جن کے ہاتھ چوری کی حد لگنے سے بیکار ہو چکے ہوں گے۔"

ان کا جواب بہت آسان ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم انہیں کہیں گے کہ اس معاشرے کو دیکھو جو حضرت رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں تھا اور اس امن کو دیکھو جو اس میں پھیلا ہوا تھا اور اس خوش بختی اور سعادت مندی پر نظر ڈالو جو ان پر سایہ فگن تھی یہ وہ دور تھا جس میں وہ بغیر کسی غفلت کے احکام شریعت کو مکمل طور پر نافذ کرتے تھے۔ [35] اور اس کا موازنہ موجودہ دور کے معاشروں سے کرو جن میں حدود شرعیہ نافذ نہیں کی جائیں، باوجودیکہ کہ بہت سے معاصر معاشروں میں مال و دولت کی فراوانی ہے اور ان میں تہذیب و تمدن عروج پر ہے لیکن پھر ان معاشروں میں جہاں حدود شرعیہ نافذ نہیں کی جاتیں، امن و امان مستحکم نہیں ہے اور لوگ اپنے جان و مال پر غیر مطمئن ہیں اور ہر جگہ فساد عام ہو چکا ہے، افراد اور گروہ اور حکومتیں پوشیدہ طور پر اور کھلم کھلا چوراکاری میں

مصروف ہیں بلکہ جرائم پیشہ گروہ دن دیہاڑے اور رات کی تاریکیوں میں سڑکوں اور راستوں میں مارکیٹوں اور گاڑیوں اور بسوں میں لوگوں پر حملہ آور ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ اسلامی حدود کے نافذ نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اسلامی شریعت نے ہاتھ کاٹنے کی سزا نافذ کی تو یہ سنگدلی نہ تھی اور یہ دنیا میں واحد شریعت ہے جو قسادت اور سنگدلی سے نا آشنا ہے اور بعض لوگ جو اسے سنگدلی اور قسادت سے تعبیر کرتے ہیں یہ دراصل اس قوت اور قطعی فیصلے کو سنگدلی سے تعبیر کرتے ہیں جو شریعت اسلامیہ کا طرہ امتیاز ہیں اور عقوبت کی صورت میں اجاگر ہیں اور عقیدے اور عبادات اور حقوق اور واجبات کی شکل میں بھی جلوہ گر ہیں اور شاید لفظ رحمت اور اس کے مشتقات قرآن میں سب سے زیادہ تعداد میں مستعمل ہوئے ہوں اور شریعت اسلامیہ نے مسلمان کو پابند کر دیا ہے کہ وہ اس وقت تک کھانے، پینے، حرکت کرنے، ٹھہرنے، کام کرنے اور عبادت کرنے اور سونے، جاگنے کا آغاز نہ کرے جب تک اللہ کا وہ نام نہ ذکر کر لے جس میں رحم اور رحیم کا لفظ ہے اور جب وہ رحمت کا ذکر کر لے گا تو اپنے قول اور فعل میں اس اثر کو قبول کر لے گا، کیونکہ رحمت، اسلامی شریعت کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے اور جس شریعت کا یہ وصف ہے، ممکن نہیں کہ وہ قسادت کی راہ سے آشنا ہو۔[36] بلاشبہ چوری کی حد کا نفاذ، چوری کے جرم کے مقابلے کا صحیح علاج ہے اور اس کا سب سے بڑا مشاہدہ سعودی عرب میں کیا جاتا ہے جسے اللہ نے اپنی حدود نافذ کرنے کی توفیق دی ہوئی ہے۔

چنانچہ سعودی حکومت نے اس سزا کو نافذ کیا تو اس کا رزلٹ یہ سامنے آیا کہ نصف صدی میں جن لوگوں کے ہاتھ چوری کے جرم کی وجہ سے کاٹے گئے ان کی

تعداد پچاس سے بھی متجاوز نہ ہوئی اور اس کی وجہ سے اس کے شہروں میں ہی نہیں، بلکہ وسیع وعریض صحراؤں میں بھی اتنا امن ہوگیا جتنا یورپ اور امریکہ کے مسلح فورسز بردار دارالحکومتوں میں بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ ان میں سے کسی بھی ملک کے دارالحکومت میں چوری کی وجہ سے جتنے چور اور مسروقین اور پولیس اہلکار مارے جاتے ہیں ان کی تعداد ان لوگوں سے سینکڑوں گناہ متجاوز ہے جن کے ہاتھ سعودی عرب میں چوری کی وجہ سے پچاس سالوں میں کاٹے گئے۔ بتائیے ان میں سے کس سزا کا رزلٹ (نتیجہ) سلامتی اور امن کا داعی اور انسان کے حق میں مشفقانہ ہے؟!

باوجود اس بات کا علم رکھنے کے کہ ان دارالحکومتوں میں قتل کیے جانے والوں کی بہت سی تعداد نہ تو مجرم تھی اور نہ ان کا کوئی گناہ تھا اور وہ لوگ جن کے ہاتھ (سعودی عرب میں چوری کی وجہ سے) کاٹے گئے اور انہیں قتل بھی نہیں کیا گیا، ان میں جرم کی عادت ثابت ہوچکی تھی۔ مزید برآں ان کی وجہ سے گھروں، مارکیٹوں اور شورومز وغیرہ میں امن پسند نفوس، خوف زدہ رہتی تھیں۔ اس کے بعد تمام تر تعجب اس بات پر ہے کہ اس طرح کی معاشرتی اور اخلاقی مقصد رکھنے والی سزاؤں پر ان اقوام اور حکومتوں کے افراد کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے جو استعماری جنگوں اور نظریاتی سُپر میسی کی خاطر لڑائیوں میں اجتماعی قتل و غارت کی مرتکب ہوئیں اور ہو رہی ہیں اور ان سے زیادہ تعجب ہماری اُمت اسلامیہ کے ان بھیڑ چال دانشوروں پر ہے جن کے دماغوں کی واشنگ سفید سامراج کی لیبارٹریوں میں ہوئی ہے اس بنا پر وہ انسانیت کے خلاف اپنے بڑوں کے جرم پر تو خاموش ہیں لیکن مجرموں پر شفقت اور ان کو سزا دینے کے خلاف صدا احتجاج بلند

کر رہے ہیں۔[37]

لہٰذا یہ (سرقہ) سب جرائم سے خطرناک جرم ہے، چنانچہ جب لوگوں میں کھلے بندوں چوری ہونے لگے تو ان کے مال اور عزتیں اور جانیں داؤ پر لگ جاتی ہیں اور ان کی زندگی بے کار اور تلخ ہو جاتی ہے، کیونکہ چور شخص، خون خوار درندے کی طرح ہے جو سامنے آنے والی ہر چیز کو چیر پھاڑ کر چلا جاتا ہے۔ لہٰذا واجب ہے کہ اس کے جرم کا مقابلہ مکمل سختی سے کیا جائے یہاں تک کہ لوگوں کے سامنے اس کے شر کی جڑ کاٹ دی جائے۔ چنانچہ جب کوئی شخص سوچے گا کہ سزا سخت ہے تو وہ لازمی طور پر جان لے گا کہ جرم کی ہولناکی اور معاشرے میں اس کے اثرات بھی سخت اور بھیانک ہیں۔ پھر سزائیں تو اس لیے مقرر کی گئی ہیں تاکہ خراب عادات میں ملوث لوگوں کو ڈانٹا جا سکے کیونکہ اس بات میں کوئی نزاع نہیں کہ یہ لوگ نرمی اور شفقت سے باز آنے والے نہیں ہیں اور جب تک ان کے سامنے سزا کی سختی کا نمونہ پیش نہ کیا جائے وہ کبھی باز نہیں آتے الا یہ کہ انہیں اللہ کی رحمت تھام لے۔ ہماری اس بحث سے آشکارا ہو گیا کہ اسلام میں چوری کی حد کے خلاف اٹھائے گئے شبہات کا عقل سلیم اور شرع کے ترازو میں صحت کے اعتبار سے کوئی وزن نہیں ہے۔

تیسرا شبہ: یہ گمان باطل کہ زنا کی حدّ میں سنگدلی ہے اور شخصی آزادی پر زیادتی ہے۔

اس شبہ میں مبتلا حضرات کا کہنا یہ ہے کہ زنا کی حدّ جو کنوارے زانی کو کوڑے مارنے اور شادی شدہ زانی کو کوڑے مارنے اور سنگسار کرنے کا تقاضا کرتی ہے

اس میں سنگدلی ہے اور انسان کی آزادی اور زندگی پر زیادتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی بھی ہے۔

اس شبے کا جواب:

اس شبے کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ زنا کی حد کتاب وسنت اور معتمد علماء مسلمین کے اجماع سے ثابت ہے۔ اس بنا پر حدّ زنا کا قیام شرعی فریضہ ہے اور کوئی فرد کسی حال میں بھی اسے معطل نہیں کرسکتا، پھر زنا کی حد کا قانون نافذ کرنے، اور اس کے قیام پر مکمل توجہ مبذول کرنے، اور اللہ کے مؤمن بندوں کی جماعت کے سامنے اس پر عملدرآمد کرانے، اور اس کے متعلق بہت سی آیات نازل کرنے، اور اس کے مقدمات اور اسباب اور اس کے قریب جانے سے روکنے میں اسلام کا مقصد یہ ہے کہ ان تمام اقدامات کے ذریعے آبروؤں اور عزتوں کا تحفظ ہوسکے اور لوگوں کو گناہ میں ملوث ہونے اور خاندان کے شجرہ نسب میں ناجائز طور پر داخل ہونے سے منع کیا جاسکے، کیونکہ پاکدامن گھرانے، خاندان میں سعادت مند افراد طمانیت کے موجب ہیں اور اولاد کو نیک اور افراد کو شریف اور فاضل ثابت کرتے ہیں اور انسانیت کو سربلند کرتے ہیں اور اس کی شان بڑھا دیتے ہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ منہدم اور بکھرے ہوئے گھرانے، نہ تو نبیل امت بن سکتے ہیں، اور نہ ہی عزت دار خاندان ثابت ہوسکتے ہیں، کیونکہ صالح معاشرے کی بنیاد پختہ اور مضبوط اور باہم گرفت رکھنے والی اینٹوں سے ہی رکھی جاسکتی ہے اور جن اقوام میں زنا عام ہوجاتا ہے اور ان میں فحاشی پھیل جاتی ہے اور ان کے درمیان خرابیوں کا دور دورہ ہوجاتا ہے، ان کی

طرف مادی اور ادبی خرابی لپک کر آتی ہے اور ان میں پیدائشی فساد پھیل جاتا ہے اور ان کے افراد ایسی ٹولیوں میں بٹ جاتے ہیں جن کے درمیان باہمی نصرت اور تعارف اور محبت نہیں ہوتی اور قرابت داری کے جذبے کے فقدان، اور اخوت اور خون کے رابطے (خونی رشتے) نہ ہونے کی وجہ سے وہ باہم متنافر اور کینہ پرور بن جاتے ہیں اور ان کی غیرت اور قوت رخصت ہو جاتی ہے اور شرافت مٹی میں مل جاتی ہے۔ حضرت رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

[لَا تَزَالُ أُمِتَّی بِخَیرِ مَالم یَفشُ فِیهِمُ الزِّنَا فَاذَا فَشَا فِیهِم وَلَدُ الزِّنَا أوشَكَ أن يُّعُمَّهُم اللّٰهُ بِعِقَابٍ] [مسند احمد]

''کہ میری امت اس وقت تک خیریت سے رہے گی جب تک اس میں زنا نہ پھیلے۔ البتہ جب اس میں حرام زادوں کی کثرت ہوگئی تو قریب ہے کہ اللہ انہیں عذاب سے اندھا کر دے۔''

اور زنا، ان اسباب میں سے ہے جو امتوں کے ستون اکھاڑ دیتے ہیں اور اس کی شرافت کو گرا دیتے ہیں اور اس کے لیے ذلت لے آتے ہیں، کیونکہ زنا صالح اور طاقتور نسل کو معطل کرنے والا اور حمیت اور خودداری کو قتل کرنے اور جرات و شجاعت کو بھسم کر دینے والا جرم ہے اور اُس قرابت داری کی زنجیر کے ٹوٹے کرنے والا ہے جو لوگوں کے درمیان ربط قائم کرتی ہے اور جس کے نظام اور تکریم پر انسان کے بہت سے رشتے قائم ہیں جیسے رشتہ ابوت، بنوت، اور اخوت اس طرح کے دیگر تمام رشتہ جات۔ چنانچہ سائنسی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ زنا انتہائی خطرناک بیماریوں کا بنیادی سبب ہے مثلاً ایڈز اور سوزاک وغیرہ بیماریاں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جسمانی اور اخلاقی اور معاشرتی (بیماریوں) اور دیگر خطرات

کی وجہ سے ضروری ٹھہرا کہ اس کی سزا نہایت سخت ہو اور اس کے اسباب درج ذیل ہیں:

[1] زنا کاری، بے عزتی اور ذلت کا سبب ہے اس لیے کوئی انسان اسے اپنے گھر والوں کے لیے پسند نہیں کرتا اور جب اسے اپنے گھر والوں کے لیے پسند نہیں کرتا تو دوسرے کے لیے کیسے پسند کرے گا اور اگر وہ دوسرے کے لیے پسند کرے گا تو وہ خودسر اور خودغرض انسان ہے اور خودغرض کی زندگی جماعت کے ساتھ میل نہیں رکھ سکتی۔

[2] زنا کاری کے نتیجے میں ایسی جانوں کا ضیاع ہوتا ہے جنہوں نے کوئی جرم نہیں کیا چنانچہ ناجائز بچہ معاشرے میں ضائع ہوجاتا ہے، نہ تو کوئی باپ اس پر شفقت کرتا ہے نہ کوئی اس کی تربیت کرتا ہے اور نہ کوئی خاندان اس پر مہربان ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ عزت محسوس کرتا ہے اور یہ طرزِ عمل اس بچے کو ایسا انسان بنا دیتا ہے جو لوگوں سے بغض رکھتا ہے اور معاشرے کو بُرا سمجھتا ہے۔

[3] زنا کاری کے نتیجے میں انسان کی نسبت اس کے (شرعی اور قانونی) باپ کی بجائے کسی اور کی طرف ہوجاتی ہے اور معاملہ دوسرے کے حقوق غصب کرنے تک جا پہنچتا ہے بلکہ بسا اوقات زنا کاری، مستحقین کو اپنے حقوق کے حصول سے روک دیتی ہے اور شرع نے جو کچھ ان کے لیے مقرر کیا ہے، اس کے درمیان اور اس کے حقداروں کے درمیان حائل ہوجاتی ہے اسی لیے حضرت رسول کریم ﷺ نے اس عملِ بد سے ڈرایا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ انہوں نے لعان کی آیت کے نزول کے وقت حضرت رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

[أَيُّمَا امْرَأَةٌ أُدْخَلَتْ عَلٰى قَوْمٍ مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ فَلَيْسَتْ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْئٍ وَلَنْ يُدْخِلَهَا اللّٰهُ فِي شَيْئٍ وَلَن يَدْخِلَهَا جَنَّتَهٗ وَ أَيُّمَا رَجُلٌ جَحَدَ وَلَدَهٗ وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ اِحْتَجَبَ اللّٰهُ مِنْهُ يَومَ الْقِيَامَةِ وَفَضَحَهٗ عَلٰى رُؤُوْسِ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ] [ابوداود، نسائی، صحیح ابن حبان]

”جس کسی عورت نے کسی قوم میں اس بچے کو داخل کیا جو درحقیقت اس میں سے نہ تھا، وہ عورت اللہ کے ہاں کسی شمار میں نہیں اور اللہ اسے کبھی کسی چیز میں داخل نہیں کرے گا اور اسے اپنی جنت میں ہرگز داخل نہ کرے گا۔ اور جس کسی انسان نے اپنے بچے کا انکار کیا اور وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہو، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے پردہ کرے گا اور اسے پہلوں اور پچھلوں کے سامنے رسوا کرے گا۔“

[4] جس معاشرے میں زنا کاری پھیل جاتی ہے اس کے مقدر میں زوال حتمی اور عذاب لازمی ہوتا ہے اور اس کے حق میں تنگدستی کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت میمونہ فرماتی ہیں: کہ میں حضرت رسول کریم ﷺ سے سنا:

[لا تزال أمتي بخير مالم يفش فيهم ولد الزنا فاذا فشافيهم ولد الزنا فأوشك أن يعمهم اللّٰه بعذاب] [مسند احمد]

”میری اُمت اس وقت تک خیریت سے رہے گی جب تک ان میں ناجائز اولاد نہ پھیلے گی اور جب اس میں ناجائز اولاد کی کثرت ہوگی تو قریب ہے کہ اللہ انہیں اپنے عذاب سے اندھا کردے۔“

[5] جبلت، انسان کو التقائے جنسی (انٹرکورس) کی طرف دھکیلتی ہے اس لیے

جب تک ایسے شخص کے لیے دھمکانے والی سزا مقرر نہ کی جائے جو جنسی تسکین کے لیے غیر مشروع راستہ پسند کرتا ہے تو یہ خرابی پھیل جائے گی اور معاشرے پر ایسی شر طاری ہو جائے گی جو ان کی عزتوں اور نسبوں کو بلکہ ان کی زندگی اور امن کو تباہ کر دے گی، لہٰذا ان امور اور اس طرح کے دیگر امور کی وجہ سے ضروری ٹھہرا کہ اس برائی کے آگے بند باندھنے کے لیے ڈانٹنے اور روکنے والی سزا مقرر کی جائے۔

پہلی حالت

البتہ دانش مند شارع کی عدالت نے (شادی شدہ زانی اور غیر شادی شدہ زانی) کے درمیان فرق کیا ہے۔ کیونکہ شادی شدہ زانی ہونے کی حالت میں عقل اور فکر صحیح اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس پر پوری سزا نافذ کی جائے اور پوری سزا یہ ہے کہ اس کی جان ختم کر دی جائے لیکن قبل اس کے کہ اس پر عملدر آمد ہو اس کے نفاذ کی شرطیں پوری کرنا واجب ہے اور اس حد کے نفاذ کی شرائط یہ ہیں۔ یا تو ملزم چار مرتبہ خود اقرار کرے یا چار عادل گواہ اس پر گواہ ہوں، یہ سزا اگرچہ سخت نظر آتی ہے لیکن اس کی تہہ میں رحمت ہے (اور وہ اس طرح کہ) کس طرح چار انسان اس بات کی گواہی دے سکیں گے کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ملزم پورے طور پر حرام کاری میں مصروف تھا، تو جہاں دانا شارع نے سزا میں سختی بیان کی ہے وہاں اس کے نفاذ میں لازمی احتیاط سے کام لیا ہے (اس درجہ احتیاط میں زیادہ تر امکان سزا سے بچ جانے کا ہے) الا یہ کہ معاشرہ انحطاط اور حیوانیت کے اس درجہ تک پہنچ جائے یا کوئی انسان تحقیر اور بے غیرتی کے اس

درجہ تک پہنچ جائے کہ اسے اسی طریقہ پر بے غیرتی کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اس صورت میں اسے رجم کرنا اور قتل کرنا برحق ہے اور عقل کا میلان بھی اسی طرف ہے اور شرع نے بھی اس کی یہی سزا مقرر کی ہے اور جن شرطوں کو دانا شارع نے اس حد کے نفاذ سے پہلے متعین کیا ہے ان پر غور کرنے والا شرح صدر کے ساتھ اس حقیقت کا ادراک کرے گا کہ اسلام نے اس حد کے نفاذ میں کس حد تک عادلانہ اہتمام کیا ہے۔! اسلام نے اس جرم کے ثابت کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لیا ہے اور اسے ثابت کرنے کے لیے ایسی شرطیں مشروع کی ہیں کہ ان کا پورا ہونا تقریباً محال معلوم ہوتا ہے اور ان شرطوں نے اس حد کے نفاذ کو اس قدر مشکل بنا دیا ہے کہ پوری تاریخ اسلام میں انتہائی نادر حد تک کسی پر یہ سزا نافذ ہو سکی ہے۔

دوسری حالت...... زانی کا غیر شادی شدہ ہونا

چنانچہ اس طرح کے شخص کی سزا میں دانا شارع تخفیف کردی ہے اور جمہور فقہا کے نزدیک بالا جماع اس کی سزا کوڑے مارنا اور سال بھر جلا وطن کرنا ہے۔ یہ سزا دوشقوں کے اعتبار سے عادلانہ ہے اور اس کے حال کے موافق نرم ہے اور ماحول کے متناسب ہے اور اسے اس طرح کے جرم کے ارتکاب کی طرف دوبارہ لوٹنے سے روکنے کے لیے کافی ہے اور دوسروں کو اس گندے جوہڑ میں غوطے خوری سے روکنے میں کارگر ہے۔

اسلامی شریعت نے جو لوگوں کی عزت و ناموس اور ان کے نسب کی حفاظت کا اہتمام کیا ہے تو اس کا فائدہ پہلے نمبر پر افراد کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ اس اہتمام

سے ہر انسان اپنی جان اور اپنے اہل و اقارب کے حق میں بیہودہ کاروں کی بیہودگی سے محفوظ ہوجاتا ہے اور دوسرے نمبر پر اس کا فائدہ معاشرے کی طرف لوٹتا ہے کہ اس میں گھٹیا عادات کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور شرافت نمایاں ہونے لگتی ہے اور معاشرے کے افراد کے درمیان محبت ومودت کا دور دورہ ہونے لگتا ہے۔

ہم اس شبے کے جواب کا اختتام (ممتاز سکالر) عبدالقادر عودہ شہید کی اس تعلیق پر کرتے ہیں جو انہوں نے زنا کی سزا پر سپرد قلم کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"اسلامی شریعت میں زنا کاری کی سزائیں بلا سوچے سمجھے نافذ نہیں ہوئیں اور نہ ہی یہ بے موقع ذبح کرنے کے لیے مقرر ہوئی ہیں، بلکہ یہ انسان کی تکوین کی صحیح فہم اور اس کی عقلیت اور اس کے جبلی رجحانات اور جذبات کا باریک بینی سے اندازہ کرنے کے بعد مقرر ہوتی ہیں اور یہ فرد اور جماعت کی مصلحت کے تحفظ کے لیے قائم کی گئی ہیں۔ چنانچہ یہ سزائیں سائنسی اور قانونی ہیں۔ یہ سائنسی سزائیں اس لیے ہیں کہ یہ نفوس بشریہ کے متعلق علم کی بنیادوں پر قائم ہیں اور یہ سزائیں قانونی اس لیے ہیں کہ یہ جرم کا قلع قمع کرنے کے لیے مشروع کی گئی ہیں اور جرم کی روک تھام کے سلسلے زنا کاری کے متعلق جو سزائیں اسلامی شریعت لے کر آئی ہے اس کا ہر دور اور ہر جگہ میں اثر سامنے آیا ہے۔"[38]

چوتھا شبہ: یہ گمان باطل کہ قذف کی حد سخت ہے اور یہ موجود تمدن کے ساتھ موزوں نہیں رکھتی۔

اس شبہ کے حاملین کہتے ہیں کہ قذف (تہمت) کی حدّ میں کوڑے مارنا سخت سزا ہے اور یہ موجود تمدن کے مناسب نہیں اور اس کے نفاذ میں انسان کی شرافت

اور اس کے حقوق کی بے حرمتی ہے۔

اس شبے کا جواب

جس طرح اسلام نے زنا کو حرام ٹھہرایا ہے اور اس کے مرتکب پر سزا واجب کی ہے اس طرح اس نے زنا کی تہمت کو بھی حرام ٹھہرایا ہے اور اس نے اس شخص پر جو کسی پاکدامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگائے، حد قذف واجب کی ہے اور وہ ہے اسی کوڑے مارنا اور اس کی شہادت قبول نہ کرنا الا یہ کہ وہ سچی طرح توبہ تائب ہو جائے۔

اس شریعت کا مقصد یہ ہے کہ اخلاق و ناموس کو کھوٹی زبانوں اور جھوٹے بہتانات کے داغوں سے محفوظ رکھا جائے اور کوئی شخص بغیر کسی قطعی دلیل کے دوسرے شخص پر تہمت تھوپنے کی جرات نہ کرے ورنہ اس کی خبر کو جھوٹی بات سمجھ کر اسے سزا کا مستحق قرار دیا جائے گا (اس کی وجہ یہ ہے) کہ شریف اور عزت دار آدمی کو عزت و آبرو، مال سے زیادہ عزیز ہے اور بغیر دلیل کے بے حیائی کی تہمت لگانے والے کو بغیر سزا دیئے چھوڑ دینا، اخلاق کے ستر کو کھول دے گا، اور گھٹیا عادات کا رواج دے دے گا اور زنا کا جرم آسان ہو جائے گا اور انار کی پھیلانے کا سبب بن جائے گا۔ علاوہ ازیں یہ جرم خاندانوں کے درمیان عداوت اور بغض کا موجب ہو گا اور لوگوں کے دلوں میں بغض اور کینہ جنم دے گا اور بسا اوقات بیگناہ جانوں کے قتل کا ذریعہ بن جائے گا اور پھر نوبت انتقام تک پہنچ جائے گی اور لہٰذا تہمت زنا، جس کے نتیجے میں معاملہ قتل و غارت تک پہنچ جائے، انتہائی خطرناک شرارت ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے لیے سزا مقرر کی جائے

تا کہ لوگ اس سے بچیں اور اپنی زبانوں کو ایسی باتوں کے لیے بے لگام نہ چھوڑیں جن سے شر اور فساد برپا ہونے کا خطرہ ہو اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو اسباب، بہتان طراز کو بہتان یا تہمت لگانے پر اکساتے ہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں سے سرفہرست حسد، بغض اور ہمسر سے آگے بڑھنے کی خواہش اور ذاتی پرخاش یا بیر لینے جیسے اسباب ہیں لیکن ان تمام اسباب سے بہتان طراز کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے اور وہ ہے مقذوف (تہمت زدہ) کو رنج والم پہنچانا اور اسے حقیر اور بے توقیر بنانا۔

اسلامی شریعت میں اس مقصد (بد) کی روک تھام کے لیے قذف (تہمت) کی سزا مقرر کی گئی ہے چونکہ بہتان طراز شخص، مقذوف انسان کو نفسیاتی تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے اس لیے اس کا بدلہ کوڑوں کی صورت میں تجویز کیا گیا ہے تا کہ اس کو بدنی اور نفسیاتی دکھ پہنچے اور یہ سزا ضمیر اور بدن پر یکساں طور پر گہرا اثر رکھتی ہے۔ کیونکہ نفسیاتی تکلیف دراصل بدنی تکلیف کے کچھ حصے پر مشتمل ہے اور تہمت یا بہتان طراز شخص اپنی تہمت کی آڑ میں مقذوف شخص کی تحقیر کا قصد کرتا ہے اس لیے اس کی سزا بھی یہی ہے کہ اسے پوری جماعت میں بے توقیر کیا جائے اور یہ بے توقیری اس کو ملنے والی سزا کا کچھ حصہ بن جائے۔ چنانچہ اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور اس کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے گی اور اس کو ابدی نشان لگا دیا جائے گا کہ وہ فاسقوں میں سے ہے۔ الا یہ کہ وہ سچی توبہ کرے اور اپنا حال درست کر لے۔

یہ ہیں حد قذف کے چند مقاصد اور ان مقاصد کی وضاحت کے باوجود ہمیں ایسے افراد بھی ملتے ہیں جو کہتے ہیں کہ:

کوڑوں کی سزا سخت ہے اور جدید تمدن کے مناسب نہیں ہے۔ ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ اولاً وہ جرم کے مفہوم کو سمجھتے اور ان اثرات پر بھی غور کرتے جو اس جرم کے نتیجے میں سامنے آتے ہیں اور معاشرے کو نقصان پہنچاتے ہیں، پھر وہ ان کے درمیان اور سزا کے درمیان موازنہ کرتے تاکہ انہیں پتہ چل جاتا کہ سزا نافذ کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ لوگوں کو ہر اس فعل یا قول سے ڈانٹ دیا جائے جو معاشرے کو نقصان دے اور اس کے افراد اور اس کی جماعت کو ایذا دے۔ چنانچہ جب لوگوں کے درمیان جرائم پھیل جاتے ہیں اور ہر آدمی اپنی عزت یا جان یا مال کے بارے میں پریشان اور غیر مطمئن ہوجاتا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ ہوا کہ جس انسان کو اللہ نے عقل وخرد سے ممتاز کیا ہے وہ اس حیوان مفترس (درندے) کے برابر ہے جس کی (جنس کا) طاقتور حیوان، کمزور پر چڑھ دوڑتا ہے اور یہ صورت حال افراد اور سوسائٹیوں کو تباہ برباد کرنے والی ہے، لہٰذا کسی ڈانٹنے اور جھڑکنے والے قانون کا ہونا نہایت ضروری ہے جو گندی خصائل والے مجرموں کو ڈانٹتا رہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ دھمکانے والا عمل جرم کو جڑ سے اکھاڑنے والا ہو تاکہ اس کے جراثیم لوگوں میں سرایت نہ کرسکیں۔ چنانچہ معاشرے کا مفاد اور بذات خود مجرموں کا مفاد اس بات میں ہے کہ دھمکانے والی سزا کا کوڑا ان کے سر پر منڈلاتا رہے۔

لہٰذا گذشتہ بحث کی بناء پر ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ قذف کی حد میں سنگدلی نہیں، بلکہ اس میں رحمت اور عدل ہے بلاشبہ قذف کی حد ہی وہ کسٹوڈین ہے جو لوگوں کی حرمتوں کی حفاظت کرتا ہے مبادا کہ انہیں جھوٹی بات کی مضرت لاحق ہو، وہ کسٹوڈین یا محافظ ہے جو لوگوں کی زبانوں پر پہرہ دیتا ہے

مبادا کہ وہ فحش گفتگو کریں وہ اسلامی معاشرے میں اخلاقی سطح پر محافظ ہے یہاں تک کہ لوگ اپنی زندگیوں اور نمازوں اور اپنے تعلقات میں، اپنی رضا مندی اور ناراضگی میں، اپنے ٹھہراؤ اور تعجیل میں ایسے معتدل اور سلامتی والے راستے پر چلنا شروع کردیں جس سے اللہ بھی راضی ہوتا ہو اور اس کا رسول بھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے اللہ کے رسول سے پوچھا:

[اَیُّ الْمُسْلِمِیْنَ خَیرٌ؟ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ] [مسلم]

''کون سا مسلمان بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا:

[سَبَابُ الْمُسْلِمِ فِسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ] [مسلم]

''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔''

سابقہ گذارشات سے ہمارے سامنے اس حد کے مقرر ہونے کی حکمت روشن ہوگئی اور اس کے پیچھے کار فرما مقصد بھی واضح ہوگیا اور حدود اللہ کے نفاذ کی وہ مصلحت بھی سامنے آ گئی جس کا فائدہ معاشرے کے تمام افراد کی طرف لوٹتا ہے۔

پانچواں شبہ: یہ خیال (باطل) کہ نشے کی حد، انسانی حقوق کے متعارض ہے

اس شبے کو ہوا دینے والے کہتے ہیں کہ شراب نوش پر حد نافذ کرنے میں انسان کے حق اور اس کی آزادی پر زیادتی ہے، کیونکہ (ان کی نظر میں) انسان آزاد ہے

وہ جو کچھ چاہے پی سکتا ہے اور جو کچھ چاہے کھا سکتا ہے۔

اس شبے کا جواب

اس شبے کو اچھالنے والوں سے ہم یہ کہتے ہیں کہ شراب پینا کتاب وسنت کی نص سے حرام ہے، لہٰذا جو مسلمان شراب پیئے گا وہ اپنے اوپر شرعی حد کے نفاذ کا مستحق ہے، کسی بھی مخلوق کو خواہ وہ کوئی بھی ہو، حدود شرعیہ کے معطل کرنے کا حق نہیں۔ اسلامی شریعت میں انسان اپنے کھانے اور پینے میں (اتنا) آزاد نہیں کہ وہ کسی پابندی اور شرط کو خاطر میں نہ لائے بلکہ وہ اپنے تمام تصرفات میں پابند ہے اور اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کا کھانا اور پینا اس حکم کے مطابق ہو جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں بیان ہوا ہے اور اسلام نے جس طرح مسلمان کے لیے وہ چیزیں بیان کردی ہیں جن کا کھانا اور پینا اس کے لیے حلال ہے اس طرح اس نے وہ چیزیں بھی بیان کردی ہیں جن کا کھانا اور پینا اس کے لیے حرام ہے اور شراب سب سے بڑی محرمات میں داخل ہے اور یہ ام الخبائث ہے۔

بلاشبہ شریعت اسلامیہ نے عقل کی سلامتی کا اہتمام کیا ہے اور اس چیز کے استعمال پر سخت سزا مقرر کی ہے جو انسان کی عقل پر حملہ آور ہو اور اسے تباہ کردے اور دوسرے پہلو سے شریعت نے شراب نوشی یا نشہ بازی پر حد قائم کر کے دائمی اور پیہم شکل میں عقل کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا ہے، کیونکہ نشہ بازی عقل کی شرافت پر زیادتی ہے۔

اسلام نے شراب کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ یہ انسان کی تعمیر میں اللہ کے منہج کے متعارض ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کی حرکت کو شل اور عقل کو مختل کردیتی

ہے اور اس کے دین کو خراب اور مال کو ضائع کر دیتی ہے اور اس کی جان کو تباہ کر دیتی ہے اور اس کی شر محض پینے والے انسان تک ہی محدود نہیں رہتی، بلکہ دوسروں تک بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ چنانچہ شرابی قتل بھی کر بیٹھتا ہے اور چوری بھی کر لیتا ہے اور زنا کا ارتکاب بھی کر لیتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں شراب نوشی کی حرمت میں شریعت اسلامیہ کے بعض مقاصد بیان کیے جاتے ہیں:

[1] شراب انسان کو سرکشی اور گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے اور اسے دنیا میں عذاب اور آخرت میں انجام بد سے دوچار کر دیتی ہے۔

[2] یہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس پر اثر انداز ہو جاتی ہے اس صورت میں اس کے نارمل حالات کسی اور صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

[3] شراب نوشی صحت کو خطرناک حد تک نقصان دیتی ہے۔ چنانچہ یہ انسان کو تلف کر دیتی ہے اور جسم کے اہم اعضاء مثلاً دماغ، اعصاب، جگر، پھیپھڑوں اور نظام تنفس کو جلا دیتی ہے۔

[4] یہ عداوت اور بغض اور اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکنے کا سبب بنتی ہے اور قرابت داری کے رشتوں کو پراگندا اور خاندانوں کو ملیا میٹ کرتی ہے، کیونکہ انسان شراب کی تاثیر کے سبب سے ایسے کام کر بیٹھتا ہے اور ایسی باتیں کہہ بیٹھتا ہے جو انسان کے دل میں مانوس اقوال و افعال کے منافی ہوتی ہیں، حالانکہ اگر وہ شراب کی تاثیر کے تحت نہ ہوں تو ان کے سرزد ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔

[5] شراب اپنے پینے والے کو معاشرے میں گھٹیا اور نچلے درجے تک پہنچا دیتی ہے۔ چنانچہ شرابی انسان، خارش زدہ آدمی کی طرح ہو جاتا ہے جس کی

شرارتوں سے بچنے اور اس کے گناہوں سے محفوظ رہنے کے لیے اس کے گھر
والے بھی دور رہتے ہیں اور لوگ بھی دور بھاگتے ہیں، کیونکہ وہ غیر دیانت دار
بھی ہے اور ناقابل اعتماد بھی۔

[6] شراب انسان کی نفسیات میں ضرر رساں اور نقصان دہ تغیر رونما کردیتی ہے۔
چنانچہ شراب نوش آدمی اپنے اندر نقص، حقارت، ناپسندیدگی، پریشانی
اضطراب اور غم کا احساس پیدا کرلیتا ہے۔

[7] شراب، انسان کو ناقابل دید منظر میں پیش کردیتی ہے۔ چنانچہ یہ اسے احترام
اور وقار کے مرتبے سے نکال دیتی ہے اور اس کے رعب اور وقار کو ختم
کردیتی ہے۔

[8] یہ مال کو اس چیز میں اڑا دینے کا سبب ہے جو نہ تو نفع دیتی ہے اور نہ کوئی فیض
پہنچاتی ہے بلکہ یہ اس چیز میں اسراف کا باعث ہے جو دکھ بھی دے اور ایذا بھی۔

[9] یہ انسان کو اپنے کام سے فراموش کردیتی ہے اور اس چیز سے اسے پھیر دیتی
ہے جو اسے نفع دیتی ہے اور اس کا فائدہ اس پر بھی اور معاشرے پر بھی لوٹ
ہوتا ہے۔

[10] یہ انسان کو خودسر مخلوق کے سانچے میں ڈھال دیتی ہے۔ چنانچہ شرابی انسان
اپنے مال کو خواہشات اور شہوات پر خرچ کرتا ہے اور اپنی بیوی اور بچوں اور
ماں باپ کا دھیان نہیں رکھتا اور شراب نوشی کے نتیجے میں وہ ادھورا انسان بن
جاتا ہے نہ صدقہ دیتا ہے نہ زکاۃ اور نہ ہی وہ بھلائی کے کاموں میں حصہ لیتا
ہے (بلکہ یہ انسان) معاشرے میں نقصان دہ اور بیکار عضو بن جاتا ہے۔

یہ ہے اسلام میں شراب کی حرمت کا فلسفہ، اور اس کی بنیاد پر ہی شراب نوش

حد مقرر کی گئی ہے اور اس فلسفہ کی وضاحت کے باوجود ہم ان لوگوں کو پاتے ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ نشے کی حد میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور اس کی آزادی پر قدغن ہے ان کے اس قول میں بہت سے مغالطے ہیں۔

(حقیقت یہ ہے کہ) جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ انسان اپنے کھانے اور پینے میں آزاد نہیں ہے بلکہ وہ احکام شریعت کا پابند ہے۔ بلکہ انسان اپنی جان کو دکھ اور تکلیف پہنچانے میں بھی آزاد نہیں ہے، کیونکہ یہ اس کی ذاتی ملکیت نہیں ہے۔ بندہ تو اپنے اس خالق کا غلام ہے جس نے اسے اپنی اطاعت اور عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور اس انسان کے معاشرے اور ماحول کا اُس پر حق ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ کی ملکیت یعنی اعضائے انسانی......؟؟؟ کے ساتھ فضول حرکات کرے اور اپنی سرگرمیوں اور سوچوں اور کاموں میں معاشرے کا حق ساقط کرے، کیونکہ وہ معاشرے میں رہ رہا ہے اور اس کے وجود سے مستفید ہو رہا ہے، امن کے اعتبار سے بھی اور خوشحالی اور سعادت کے اعتبار سے بھی، اس پر واجب ہے کہ وہ پبلک سسٹم کی پابندی کرے اور وہ چیز محسوس کرے جو دوسرے محسوس کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ایک عمارت اور ایک جسم بن کر رہے۔

وہ جماعت کو صرف اس صورت میں نفع دے سکتا ہے جب وہ سلیم العقل اور صحیح البدن ہو اور اپنے تصرفات میں راہ راست پر ہو۔ چنانچہ ہر وہ دکھ یا تکلیف جس کا فرد کو سامنا کرنا پڑتا ہے خواہ وہ اس کے ارادے سے ہو یا بغیر ارادے کے۔ اس کا نقصان اس معاشرے پر لوٹتا ہے جس میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے۔[39]

چھٹا شبہ: یہ خیال (باطل) کہ ارتداد کی حدّ سخت ہے اور انسانی حقوق کے عالمی ڈیکلریشن کے خلاف ہے۔

اس شبہ کے حاملین کہتے ہیں کہ ارتداد کی حد میں سختی ہے اور انسان کے دینی حقوق کی خلاف ورزی بھی ہے، کیونکہ انسان اپنے دین کے معاملے میں آزاد ہے کہ وہ جس دین کو چاہے اختیار کرے اور جب چاہے اسے بدل لے اور یہ وہ حق ہے جس کی ضمانت 1948ء میں دی گئی ہے اور آرٹیکل نمبر 18 کی شق ۔ بی میں اس کی طرف ان لفظوں میں اشارہ ہے۔

Every person has the right to change his religion.

”کہ ہر انسان کو اپنا دین بدلنے کا حق حاصل ہے۔“

اس شبے کا جواب

ارتداد کا جرم ان جرائم میں شمار کیا جاتا ہے جو اسلامی مملکت کے امن پر خطرناک اثر ڈالتے ہیں اور اس جرم کی خطرناکی اور اسلامی معاشرے پر اس کے مرتکبین کے بھیانک کردار کا اندازہ لگانا اس وقت ہی ممکن ہے جب ہم اسلامی ثقافت کی ہمہ گیری حیثیت پر نظر رکھنے والی آنکھ سے دیکھیں گے۔

جب ہم اسلام کے تعزیری نظام کی طرف توجہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ وہ ان مفادات کی حفاظت کا ارادہ کرتا ہے جن کی حفاظت واجب ہے چنانچہ جو کوئی انسان کسی بھی مفاد کو پامال کرے گا وہ اسلامی نظام کی مقرر کردہ سزا کا سامنا کرے گا۔

اسلامی شریعت نے جن ضروری مفادات یا مقاصد کی حفاظت کی ضمانت اٹھائی

ہے انہیں پانچ اصولوں میں قلمبند کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہیں:

[1] دین کی حفاظت

[2] مال کی حفاظت

[3] جان کی حفاظت

[4] عقل کی حفاظت

[5] نسل کی حفاظت۔

ان مفادات کی بنیاد اور اس پر چلنے والا قاعدہ اور ضابطہ ہی دین کہلاتا ہے اور چونکہ اسلامی حکومت دین کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اس لیے جو دین سے نکل گیا اس نے دین کی مخالفت کردی اور اس کا باغی ہوگیا اور جس شخص نے اس معاشرے میں دین کو گرا دیا اس نے سارے معاشرے کو گرا دیا۔ علاوہ ازیں دین کی حفاظت کرنا پورے معاشرے کی حفاظت کرنا ہے، کیونکہ شریعت جن تکلیفی احکام پر مشتمل ہے وہ تمام تر عقیدے کے اثرات پر مبنی ہیں۔ چنانچہ جتنا عقیدہ مضبوط ہوگا اس کا قانونی پہلو بھی اتنا ہی مضبوط ہوگا اور علمی قواعد کے ذریعے اس کی جڑیں مضبوط ہوں گی۔

دوسرے لفظوں میں عقیدہ ہی اسلامی نظام کی بنیاد ہے لہٰذا اس نے ضروری حفاظت والے مقاصد میں دین کی حفاظت کو اپنے اولین آرڈیننسز (احکام) میں شمار کیا ہے اور اسلامی معاشرے میں عقیدے کے اجتماعی فرائض ہیں اور ان میں سے اہم یہ ہیں:

[1] پہلا فرض: بلاشبہ عقیدہ امت کے اتحاد تک پہنچاتا ہے، کیونکہ وحدت ایمان، وحدت فکر تک پہنچاتی ہے اور وحدت فکر، وحدت ذرائع اور وحدت احوال

(Positions) تک لے جاتی ہے اور وحدت ذرائع و احوال، وحدت عمل اور وحدت طریق اور وحدت منہج تک لے جاتی ہے اور اس کا رزلٹ، امت مسلمہ کے درمیان اتحاد و یکجہتی کی صورت میں نکلتا ہے۔

[2] دوسرا فرض: عقیدہ، ہر مؤمن مرد اور عورت کے شخصی ضمیر کی تربیت کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

[3] تیسرا فرض: یہ عقیدے کا معقول اور مثبت نتیجہ ہے۔ چنانچہ جس کا عقیدہ راسخ ہوتا ہے اس کا موقف کام اور ڈیوٹی کے مقابلے میں بہت طاقتور، مضبوط ہوتا ہے اور وہ تحمل و برداشت پر زیادہ قادر ہوتا ہے۔ اسلام سے مرتد ہونا ذاتی مسئلہ نہیں ہے اگرچہ بظاہر ذاتی ہی نظر آتا ہے۔ اللہ کے دین میں داخل ہونے اور اس کا ذائقہ چکھنے اور مسلمانوں کے راز اور ان کے نظام سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد دین سے مرتد ہونے کا مطلب ہمہ جہت نظام کو خراب کرنا ہے۔ چنانچہ اسلام میں ارتداد کی سزا، دین کی حفاظت اور اس کے مشن کی گارنٹی کے لیے ہے اور ایسے فتنہ انگیزوں کو دھتکارنے کے لیے ہے جو اس میں داخل ہو کر مخصوص مقاصد تک رسائی حاصل کرنا اور پھر واپس کفر کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں (مزید برآں اس کا مقصد) معاشرے کو اس طرح کے منافقوں اور مذاہب کے کاروباریوں سے پاک کرنا ہے اور اسی بات میں اسلامی مملکت کی سلامتی اور اس کے مشن کا استحکام ہے اور افراد اور جماعتوں کے دلوں میں طمانیت اور سکون کو پھیلاتا ہے۔[40]

ارتداد کی سزا کے معاملے اسلام کے اصول سے واضح ہوتا ہے کہ وہ آزادی پر پابندی کے اصول پر نہیں چلتا وہ تو صرف ان مکاروں کے مکروفریب پر کاری ضرب لگاتا ہے جن کا کام زمین میں فساد پھیلانا ہے اور بس! (اس کے علاوہ ان

کا کوئی مقصد نہیں ہے)[41]

ساتواں شبہ: یہ خیال (باطل) کہ راہزنی کی سزا سنگدلانہ ہے

اس شبہ کے حاملین کہتے ہیں کہ راہزنی کی سزا سخت ہے کیونکہ اس میں متمدن فرد کے وجود کو بے کار کرنا ہے اور پھر یہ بیسویں صدی کی مہذب دنیا کے مناسب بھی نہیں۔

اس شبے کا جواب

اس شبے کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ امن اور استحکام ان امور میں سے ہیں جنہیں لوگ ہر دور اور ہر جگہ میں تلاش کرتے ہیں اور اس زندگی میں انسان اس بات کی استطاعت نہیں رکھتا کہ وہ (اللہ کی توفیق سے) جن چیزوں کا اشتیاق رکھتا ہے انہیں پورا کر سکے الا یہ کہ وہ ایسے پر امن معاشرے میں زندگی بسر کرے جس میں وہ اپنی جان، اپنے دین، اپنی عزت، اپنے مال اور اپنی عقل کے بارے میں مطمئن ہو۔

اسلام نے امن کی نگرانی کا اہتمام کیا ہے اور اس نے ہر اس آدمی کے لیے جو لوگوں کے امن پر شب خون مارتا ہے کاٹ دار اور دھمکی آمیز، منصفانہ سزا مقرر کی ہے اور اس سزا کو ڈاکہ زنی کی حد کہا جاتا ہے اور اللہ عزوجل نے اسے اس شخص کے لیے مقرر کیا ہے جو دوسروں پر زیادتی کرنے اور لوٹ مار کرنے یا جانوں اور عزتوں پر شب خون مارتے وقت، قوت استعمال کرتا ہے اور ایسی کاروائیاں کرتا ہے جو غلبہ اور اسلحہ کے زور پر امن و امان اور نظام ونسق اور اجتماعی روابط کے

خلاف بغاوت شمار ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ [مائدہ : 33]

''بے شک ان لوگوں کی جزا، جو اللہ اور اس کے رسول کا خلاف ہتھیار اٹھاتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کی جدوجہد کرتے ہیں، یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا انہیں سولی دیا جائے یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے درد ناک عذاب ہے۔''

اور واقعہ یہ ہے کہ 'آیت محاربہ' ہی ان جرائم پر کڑی نگاہ رکھتی ہے جو معاشرے کے خلاف خطرہ بنتے ہیں، ایسے جرائم جو معمول کی ان قدروں سے تجاوز کر جاتے ہیں جن سے جرم پروان چڑھتا ہے۔ چنانچہ خفیہ طریقے سے ہتھیائے گئے مال پر چوری کی حد مقرر کی گئی ہے اور جب اسلحہ کے زور مال ہتھیانے کا عمل مکمل ہو تو یہ فعل امن پسند اور مطمئن معاشرے کے خلاف خطرہ بن جاتا ہے، اس لیے یہ بات لازم ٹھہری کہ اس پر ایسی سزا مقرر کی جائے جو خفیہ طریقے سے مال چوری کرنے کی سزا سے زیادہ سخت ہو، اور اس لیے بھی کہ چور، چوری میں بسا اوقات کامیاب ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا (اس کی وجہ یہ ہے) اس جرم (ڈاکہ زنی) میں جن حالات اور صلاحیتوں پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ ان حالات کے خلاف ہوتے ہیں

جن پر پہلے جرم (چوری) میں اعتماد کیا گیا تھا۔

اور زنا کاری کے جرم پر زنا کی حد مقرر کی گئی ہے اور اس پر عمل درآمد کے بارے میں مجرم کی چند صفات کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور ان صفات نے شادی شدہ کی سزا کا حکم غیر شادی شدہ کی سزا سے مختلف بنا دیا ہے، لیکن جب زنا کا عمل، زبردستی یا اسلحہ کے زور پر یا مزنیہ کو بیہوش کر کے سرانجام دیا گیا ہو تو معاشرے کے حق میں یہ جرم پہلے جرم سے زیادہ خطرناک ہے۔ اور قتل کے جرم پر قصاص مقرر کیا گیا ہے اور اس میں معافی کا دروازہ کھلا رکھا گیا الا یہ کہ قاتل نے اس جرم کو ایسے طور پر سرانجام دیا ہو جو اسے معمول کے جرائم سے نکال دے مثلاً اس نے مال یا آبرو پر ڈاکہ ڈالنے یا امن پر در عوام کو دہشت زدہ کرنے کے لیے راہ زنی کی ہو اور جو کوئی اس کے راستے میں آیا اسے قتل کر دیا ہو تو قتل کی یہ قسم معاشرے کے حق میں انتہائی خطرناک ہے لہٰذا اسے قصاص کے طور پر نہیں بلکہ محاربہ کے تحت آیت محاربہ میں شامل کیا جائے گا۔

اور اس اصول پر ان تمام جرائم کو قیاس کیا جائے گا جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف محاذ آرائی کرنے اور زمین میں فساد کرنے کے زمرے میں آئیں گے لہٰذا جو جرم اس قبیل سے متعلق ہوگا اس پر آیت محاربہ کی روشنی میں کرنا نافذ کرنا واجب ہے۔

اور جب اس شبے کو اچھالنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ڈاکہ زنی یا محاربہ پر حد نافذ کرنے میں انسان کی شرافت کی توہین ہے تو ان کو یہ جان لینا چاہیے کہ انسان کی شرافت اور اس کے حقوق کو بچانے کے لیے جتنا کچھ اسلام نے کیا ہے اتنا کچھ دنیا کے کسی نظام میں نہ پایا جائے گا یہ وہ واحد نظام ہے جو فرد یا جماعت کے حقوق

پر شب خون مارنے کو جرم قرار دیتا ہے اور یہی وہ نظام ہے جو انسان کی زندگی کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتا ہے البتہ اسلام کا یہ اہتمام اس راست روفرد کے لیے ہے جو جماعت کے امن اور اس کی سلامتی کی پاسداری کرتا ہے۔ اور وہ انسان جو لوگوں پر زیادتی کرتا ہے اور امن میں خلل ڈالتا ہے اور افراتفری و انارکی پیدا کرتا ہے وہ اپنے ارتکاب کردہ جرم کے مساوی دھمکی آمیز سزا کا مستوجب ہوگا اور جو انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسلامی شریعت کی سزائیں اور اس کے تعزیری قوانین جدید دور کے لیے موزوں نہیں تو اس پر ہمارے اردگرد کی دنیا کے احوال پر غور کرنا ضروری ہے عنقریب اس پر آشکارا ہوجائے گا کہ جن ممالک میں حرابہ (ڈاکہ زنی) کی حد نافذ نہیں ہے وہ طرح طرح کے جرائم اور خوف اور بدامنی اور پریشانی اور غموں میں غرق ہیں اور اسے یقین کر لینا چاہیے کہ دنیا اس وقت تک امن اور استحکام کی نعمت سے لطف اندوز نہیں ہوسکتی جب تک اللہ کی رحمت اسے تھام نہ لے اور اس کے حکمرانوں کو اسلامی شریعت کے نفاذ اور اس کی حدود پر عمل درآمد کی توفیق نہ دے لے اور اس امت کا آخری دور اس وقت تک ٹھیک نہ ہوسکے گا جب تک اسے اس عمل سے ٹھیک نہ کیا جائے جس سے اس کا پہلا دور ٹھیک ہوا تھا۔[43]

آٹھواں شبہ: یہ خیال (باطل) کہ بغاوت کی حد سخت ہے

اس شبے کو اچھالنے والے حضرات یہ کہتے ہیں کہ بغاوت کی حد میں سختی اور وحشیانہ پن ہے اور یہ انسانی حقوق کے منافی ہے۔

اس شبے کا جواب

اس شبے کا جواب دینے سے قبل ہم پر واجب ہے کہ ہم بغاوت کا شرعی معنی

بیان کریں (بغاوت کا شرعی معنی ومفہوم یہ ہے)

[خروج قوم لهم شوكة و منعة على الامام بتأويل سائغ][44]

''کسی با اثر اور طاقت ور قوم کا قابل توجیہ تاویل کی بنا پر امام کے خلاف خروج کرنا۔''

اور مسلمان فقہائے کرام نے باغیوں کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

[بانهم الذين يخرجون على الامام و يخالفون الجماعة وينفردون بمذهب يبتدعونه وذالك بتأويل سائغ مع وجود المَنَعَةِ والشوكة][45]

''کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلم حکمران پر چڑھائی کریں اور جماعت کی مخالفت کریں اور اپنے خودساختہ مذہب کے ساتھ منفرد رہیں اور وہ یہ کام قابل توجیہ تاویل کے ساتھ کریں اور ان کے پاس قوت اور اثر ورسوخ بھی ہو۔''

ایسے لوگوں کے متعلق قرآن کریم میں حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾ [حجرات : 9]

''اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کروا دو پس اگر ایک گروہ دوسرے پر پھر چڑھ دوڑے تو اس کے خلاف لڑو جو

چڑھائی کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پس اگر وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کروا دو اور انصاف کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اور سنت میں ان کے بارے میں حضرت رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

[مَن أتَاكُم وَ أمرُكُم جَمِيعٌ يُرِيدُ أن يُفَرِّقَ فِي جَمَا عَتِكُم فَاقتُلُوهُ] [مسلم]

''جب کوئی طالع آزما اس دوران تمہارے پاس آئے کہ تم ایک امیر پر اتفاق کر چکے ہو اور وہ تمہاری جماعت میں پھوٹ ڈالنا چاہتا ہو تو اس کو قتل کر دو۔''

ایک اور حدیث مبارکہ میں آپ کا فرمان اس طرح ہے:

[سَيَكُونُ فِي أمتِّي اِختِلَافٌ وَفُرقَةٌ قَومٌ يُحسِنُونَ القَولَ وَيَسِيئُونَ العَمَلَ يَمرُقُونَ عَنِ الدِّينِ كَمَا يَمرُقُ السَّهمُ مِنَ الرَّمِيَةِ لَايَرجِعُونَ حَتّٰى يَرتَدَّ عَلٰى قَومِهِم هُم شَرُّ الخَلقِ وَالخَلِيقَةِ طُوبىٰ لِمَن قَتَلَهُم أوقَتَلُوهُ مَا يَدعُونَ إلَى اللّٰهِ وَلَيسُوا مِنهُ فِي شَيئٍ، مَن قَتَلَهُم كَانَ أولٰى بِاللّٰهِ مِنهُم] [رواہ البخاری ومسلم]

''عنقریب میری اُمت میں اختلاف اور تفرقہ ہوگا۔ ایک قوم بات تو اچھی کرے گی اور عمل، بُرا کرے گی یہ لوگ دین سے ایسے باہر نکل جائیں

گے جیسے تیر کمان سے باہر نکل جاتا ہے وہ اس وقت تک دین کی طرف نہیں لوٹیں گے جب تک وہ تیر ان کی قوم پر پلٹ نہ پڑے۔ وہ لوگ ساری مخلوق سے بدترین ہیں مبارک ہو اس کو جو انہیں قتل کرے یا وہ اسے قتل کریں وہ اللہ کی طرف دعوت نہ دیں گے اور نہ وہ اللہ کی طرف سے کسی شمار میں ہیں جو ان سے لڑے گا وہ ان کی بنسبت اللہ کے زیادہ قریب ہوگا۔"

یہ ہیں بغاوت کی حد کے دلائل جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ بغاوت کی حد مخلوق کے خالق کی طرف سے مقرر ہے اور وہ ارحم الراحمین اپنی مخلوق کے ایسے مفادات کو خوب جانتا ہے جو اس کے احکام میں پنہاں ہیں اور ان میں امن و استحکام بھی داخل ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت نے تقاضا کیا ہے کہ اس وقت تک نہ تو دین سیدھا رہ سکتا ہے اور نہ شرع کی حفاظت ہوسکتی ہے جب تک ایسا امام موجود نہ ہو جو حدود اللہ قائم کرے اور حقوق، منظم کرے اور کاموں کی باگ ڈور سنبھالے اور ظالم کی کمر توڑے اور مظلوم کی مدد کرے۔[46]

اس امام پر چڑھائی کرنا، جس کا امام ہونا اسلام نے پسند کیا ہے اور اس کی اطاعت کی لاٹھی کو توڑنا، اسلامی حکومت کی حرمت پر شب خون مارنا ہے اور مسلمانوں کے اس امام سے محاذ آرائی کرنا ہے جس کے ہاتھ پر انہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی ہدایت پر بیعت کی ہے اور یہ فعل ایسا جرم ہے جو پریشانیاں پھیلانے اور ملک میں فتنے برپا کرنے اور مسلمانوں کی جمعیت کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف ہے۔

اور اسلام نے بغاوت کے جرم میں سختی کی ہے، کیونکہ یہ جرم حکومت اور

حکمرانوں کے نظام کو ٹارگٹ بناتا ہے اور باغیوں کی امام کو ہٹانے کی خواہش اور کسی بھی ذریعہ سے اس سے خلاصی پانے کی کوشش، خواہ وہ اس امام کے قتل کی ہی کیوں نہ ہو۔ تاکہ وہ اپنی خواہش کے تابع فرماں شخص کو اس کی جگہ پر بٹھا سکیں، ایسی مریض خواہش ہے جو قتل کی سزا کے بغیر تندرست نہیں ہوسکتی اور پھر اس جرم کو دبانے میں سستی کرنا (ملک وملت) کو خانہ جنگی اور پریشانیوں تک پہنچا دیتا ہے اور)(ملت کا) عدم استحکام (خلفشار) جماعت کو پسماندہ رکھنے اور اسے زوال کے گڑھے میں گرانے کا سبب بنتا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں قتل کی سزا ہی ایسی طاقتور سزا ہے جو لوگوں کو اس جرم کے ارتکاب سے باز رکھ سکتی ہے جس پر اقتدار کی محبت اور طمع اکساتے ہیں۔

اور اسلام ایک دین ہے اس نے بغاوت کے جرم کی پاداش میں قتل کی سزا پہلے مرحلے میں نافذ نہیں کی، بلکہ اسے ضرورت کے وقت مقرر کیا ہے اور یہ اس صورت میں نافذ ہوتی ہے جب سوائے قتل کے باغیوں کی شر کو روکنا ممکن نہ ہو۔

اسلامی شریعت نے حاکم وقت پر باغیوں سے لڑائی کرنے سے قبل، ان کے مقابلے میں چند محدود اقدامات کرنا واجب قرار دیا ہے۔ چنانچہ جب حاکم ان تمام اقدامات کو بروئے کار لاچکا ہو اور فتنہ پھر بھی ختم نہ ہو تو اس صورت میں اس کے لیے طاقت استعمال کرنا اور لڑائی کرنا درست ہے۔

گذشتہ بحث کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بغاوت کی حد منصفانہ سزا ہے اور یہ سنگدلانہ نہیں ہے یہ بنیادی طور پر انسان پر رحمت کی غرض سے نافذ کی گئی ہے اور یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ ریاستیں، کائنات اور انسان اور زندگی کے سلسلے میں مختلف نظریات اور فلسفے رکھنے کے باوجود باغیوں یا نظام حکومت کو تہہ و بالا کرنے والوں

کا تعاقب ایسی سزاؤں سے کرتی ہیں جو بسا اوقات اسلامی حدود سے بھی تجاوز کر جاتی ہیں مثلاً سیاسی اسیروں کو مختلف طرح کی سزائیں دینا۔[47]

نواں شبہ: یہ خیال (باطل) کہ مسلم خاتون کی غیر مسلم مرد سے شادی کی حرمت انسانی حقوق سے متصادم ہے اور اس میں شخصی آزادی پر زیادتی بھی ہے۔

اس شبہ کا جواب[48]

ہم کہتے ہیں کہ مسلم خاتون کی غیر مسلم مرد سے شادی کی حرمت سے اسلام سے ناواقف انسان کی سمجھ میں جو یہ بات آئی ہے کہ اس حرمت میں انسانی حقوق کے عالمی اعلان کے آرٹیکل نمبر 16 کی مخالفت ہے، کیونکہ یہ آرٹیکل مرد اور عورت کو حق دیتا ہے کہ جب وہ دونوں شادی کی عمر کو پہنچ جائیں تو وہ بغیر کسی دینی اور مذہبی پابندی کے آپس میں شادی کر سکتے ہیں۔ اور جب یہ اعلان ہوا تھا تو اس پر بعض اسلامی ریاستوں نے اختلاف رائے کا اظہار کیا تھا اور ان میں سر فہرست سعودی عرب کی حکومت تھی۔

ہم کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں اسلامی قانون کے پیش نظر یہ بات نہیں کہ شادی پر پابندی کی وجہ دینی اختلاف ہے بلکہ اسلامی قانون کی نگاہ میں خاندان کو زوال سے بچانا واجب ہے کیونکہ دینی اختلاف کی وجہ سے خاوند اپنی بیوی کے مقدسات کا احترام ملحوظ نہ رکھ سکے گا اور اس لیے بھی کہ عورت، جو خاندان کا عنصر ہے اور وہ آدمی کے سامنے اپنے شعور کی کمزوری کی بنا پر اس موضوع میں زیادہ حساس ہے اور اس سے مختلف احکام رکھنے والے تین حالات سامنے آتے ہیں، لیکن یہ تینوں

ایک اصول پر چلتے ہیں اور یہ اصول وہی ہے جس کی ہم نے سابقہ جملے میں تشریح کی ہے اور وہ حالات یہ ہیں:

[1] بت پرست عورت سے یا اس عورت سے جو اللہ پر ایمان نہ رکھتی ہو، مسلمان مرد کی شادی کو اسلام نے حرام ٹھہرایا ہے، کیونکہ یہ کسی صورت میں بھی ممکن نہیں کہ مسلمان مرد کا عقیدہ اس عورت کے مقدسات یا اس کے اعتقادات کا احترام کرے اور یہ صورت حال خاندان کو جھگڑے میں ڈال کر زوال سے دو چار کردے گا۔ اسلام، طلاق کو أبغض الحلال إلى الله شمار کرتا ہے اس لیے وہ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا اور اس صورت کی منطقی پیش بندی یہی ہے کہ اس طرح کی شادی کو حرام قرار دیا جائے جس میں خاوند اپنی بیوی کے مقدسات یا اعتقادات کا احترام نہ کرے اور جس کا نتیجہ جھگڑے اور زوال پر منتج ہو، اسلام، خاندان کے زوال کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا، اس لیے اس نے اس صورت حال کی پیشگی منصوبہ بندی یہ کی ہے کہ شادی جیسے رشتے کی بنیاد میں وہ چیز موجود نہ ہو جو اسے زوال کا شکار بنا دے۔

[2] مسیحی یا یہودی عورت سے مسلمان مرد کی شادی کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے، کیونکہ اسلام سیدنا مسیح علیہ السلام کی رسالت کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور خرق عادت معجزہ سے پیدا ہوئے ہیں اور اس طرح اسلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا اعتراف کرتا ہے اور انہیں بنی اسرائیل کی طرف اللہ کا رسول سمجھتا ہے اس لیے اپنے دین پر پابند رہنے کی خواہشمند مسیحی یا یہودی بیوی، اپنے مسلمان شوہر سے کوئی ایسی بات نہ سنے گی جو اسے اپنے خاوند سے نفرت دلا دے اور خاندان کو جھگڑے میں ڈال کر زوال کے گڑھے میں

گرادے۔اس بنا پر اسلام کے ہاں دینی اختلاف کے باوجود اس شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

[3] اسلام میں مسلمان عورت سے، عیسائی یا یہودی مرد کی شادی حرام ہے، کیونکہ عیسائی یا یہودی خاوند حضرت محمد ﷺ کی رسالت اور نبوت کا اعتراف یا اقرار نہیں کرتا، بلکہ ان کے بارے میں عقیدتا اور قولاً ہر طرح کی منکرات کا اعتقاد رکھتا ہے اور یہ صورت حال مسلمان عورت کو اپنے خاوند سے متنفر کردیتی ہے اور خاندان کو گھڑے میں ڈال کر زوال سے دوچار کردیتی ہے اس بنا پر جس شادی کا نتیجہ اس صورت حال پر منتج ہوا سے اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

یہ ہیں وہ چند شبہات جو اسلام میں انسانی حقوق کے متعلق پھیلائے جاتے ہیں اور ہم نے ان شبہات کے حاملین کے سامنے حق کا چہرہ پیش کرنے کی غرض سے ان کے کافی وشافی جوابات دے دیئے ہیں (اور ان کے جوابات دینے سے) ہمارا مقصد، اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ اسلام نے چودہ صدیاں قبل، انسانی حقوق مقرر کردیئے تھے اور انسانی حقوق کے انٹرنیشنل ڈیکلیریشن میں جن حقوق کا تذکرہ ہے وہ درحقیقت صدائے بازگشت ہے ایسے بعض انسانی حقوق کی جو اسلام میں مقرر کیئے گئے ہیں۔

ضمیمہ

انسانی حقوق کی عالمی کانفرنس میں سعودی وزیر خارجہ جناب سعود الفیصل کا خطاب

[منعقدہ وی آنا مورخہ 24 ذوالحجہ 1414ھ بمطابق 25 جون 1993ء]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی أشرف الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

جناب چیئرمین صاحب

فضیلت مآب سربراہان مملکت

عالی جناب وزراء کرام!

میں اس مؤقر میٹنگ میں آپ کی خدمت میں خادم الحرمین الشرفین شاہ فہد بن عبدالعزیز فرمانروا سعودی عرب کے دلی جذبات اور نیک خواہشات پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں اور میں اس کانفرنس کی ضیافت کا بیڑا اٹھانے اور اس کے انعقاد کے لیے ماحول ساز گار کرنے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے پر آسٹریا کی حکومت اور اس کے وزیر خارجہ جناب لویس موک اور

آسٹریا کے دوست عوام کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کیونکہ ان کی تھکا دینے والی کوششوں اور وسیع پیمانے پر انتظامات سے اس کے انعقاد کی راہ ہموار ہوئی۔ اس طرح میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل جناب ڈاکٹر بطرس غالی کی خدمت میں شکریہ اور عزت افزائی کا ہدیہ پیش کرنا پسند کرتا ہوں، کیونکہ انہوں نے اس کانفرنس میں دلچسپی لی اور اقوام متحدہ کی طرف سے اس کے لیے چندہ فراہم کیا۔ اس طرح میں خصوصی طور پر اس کانفرنس کے جنرل سیکرٹری جناب ابراہیما فال کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کانفرنس کی تیاری میں اپنی توانائیاں صرف کر دیں۔

اس کانفرنس کے کاز میں وسیع اور بلند پیمانے پر بین الاقوامی برادری کی شرکت، بین الاقوامی اور مضبوط ادارے کے وجود کی واضح دلیل ہے جو انٹرنیشنل سطح پر شاندار تعاون کو بروئے کار لانے کی جدوجہد کرے اور دنیا میں انسانی حقوق سے متعلقہ خصوصی مسائل کا گہرے غور وخوض سے ادراک کرے اور ہمیں پکی اور مضبوط امید ہے کہ اس اہم موضوع پر موثر اور حقیقت پسندانہ بنیادوں پر بامقصد بات چیت اور تبادلہ خیال کرنے کے لیے مل بیٹھنا، شاندار نتائج مہیا کرے گا اور خصوصاً ان دنوں میں جبکہ انسان کی انسانیت اور اس کے احترام اور اس کے مشروع حقوق کی فریاد طلب بے حرمتیاں بڑھ گئی ہیں اور ایک نمونہ وہ جنگ ہے جو بوسنیا ہرزگوینا کے عوام پر مسلط کر دی گئی ہے اور اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ (عقیدے اور مذہب کے اختلاف کی وجہ سے مسلم قوم) کا صفایا کر دیا جائے اور اسے اس کے گھر سے بے دخل اور وطن سے جلا وطن کر دیا جائے۔ چنانچہ اس بے بس اور بے کس عوام کو نفرت آمیز نسلی (تعصب سے بھرپور درندوں کے) بھیانک انسانی جرائم کا نشانہ بننا پڑ رہا ہے اور اس طرح (وہ) اجتماعی قتل وغارت

اور ظالمانہ جلا وطنی اور عورتوں کی عصمت دری جیسی کاروائیوں کا نشانہ بن رہے ہیں اور یہ حالت زار تمام اقدار اور انسانی روایات کے لیے کھلا چیلنج ہے اور تمام بین الاقوامی معاہدات اور کنونشنوں کی کھلی بے حرمتی ہے اور تمام بین الاقوامی معاشرے کی آنکھوں کے سامنے اور کانوں کے قریب ہے۔

اور ان میں مقبوضہ عرب علاقوں میں انسانی حقوق کی خطرناک خلاف ورزیاں بھی شامل ہیں، کیونکہ وہاں فلسطینی قوم کو ان کے تسلیم شدہ حق سے محروم کیا گیا ہے۔ ہماری یہ کانفرنس انسانی حقوق کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالنے اور ان سے متوازن اور عادلانہ برتاؤ کرنے میں قیمتی فرصت مہیا کرے گی جو امتیاز سے پاک اور دوہرے معیار سے دور ہو تاکہ اس طرح کی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور اس کی بنیادی آزادیوں کی خلاف ورزیوں کی روک تھام ہو سکے۔

جناب چیئرمین ! اللہ رب العزت نے انسان کی پیدائش کے وقت بھی اس میں شرافت اور بزرگی رکھ دی تھی۔ اس نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا:

﴿ وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾

"اور ہم نے آدم کی اولاد کو شرافت بخش دی ہے اور اسے خشکی اور تری میں اٹھایا ہے اور اسے پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ہے اور اسے اپنی بہت سی پیدا کردہ مخلوق پر فضیلت بخشی ہے۔"

اور اصل اور پیدائش کے اعتبار سے عالم بشریت کو ایک انسانی خاندان قرار دیا ہے۔

چنانچہ رب العالمین نے فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ﴾

''اے لوگو اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔''

اور اس خاندان کے جدا جدا قبیلے بنائے تا کہ وہ آپس میں تعارف اور مفاہمت اور تعاون کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾

''کہ اے لوگو میں نے تمہیں ایک نر اور مادہ سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے ہیں تا کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے تعارف کر سکو بے شک تم میں سے اللہ کے ہاں سب سے بڑھ کر وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔''

چنانچہ اسلام کا پیغام تمام پیغامات کی تصدیق کے لیے آیا ہے اور اس کی دعوت تمام نسلوں اور رنگوں اور قوموں کے لیے وسیع ہے اور اس طرح اسلامی شریعت ایک ایسا عام اور ہمہ گیر منہج لے کر آئی ہے جو انسانی حقوق کے مفصل اور دقیق بیان پر قائم ہے اور انسانی تعلقات اور اس کے معیارات کی تمام شکلوں میں اس کے فرائض اور پابندیوں کی حد بندیوں پر مشتمل ہے اور یہ چیز دائرہ آزادی اور بنیادی اقدار سے تعلق رکھتی ہے یہ انسان کی آدمیت اور اس کی شرافت و بزرگی کے احترام پر توجہ رکھتی ہے اور حیات شریفہ میں اس کے حق کو مدنظر رکھتی ہے وہ

چاہتی ہے کہ انسان کی جان یا اسکا بدن یا اسکی عزت یا اسکی خصوصیات پامالی سے محفوظ رہے بلکہ اسکی رہائش یا اسکا خاندان بھی کس طرح کی زیادتی سے محفوظ رہے۔

اسلام نے انسان کے لیے جن حقوق اور آزادیوں کی گارنٹی دی ہے وہ اخلاقی نصیحتوں کے طور مقرر نہیں ہیں بلکہ اسلام نے انہیں شرعی احکامات کا درجہ دیا ہے اور انہیں تمام طرح کی ایسی قانونی دفعات سے گھیر لیا ہے جو ان کی تنفیذ اور عمل درآمد کی گارنٹی کے لیے ضروری ہے مزید برآں اس نے انہیں فرض کیے گئے واجبات سے جوڑ دیا ہے۔

اسلام میں انسانی حقوق اور انسان کے بلند درجے کے متعلق اسلامی اقدار کی ہم آہنگی اور ہمہ گیری بلا شک وشبہ اس عظیم اہمیت کو پختہ کرتی ہے کہ اسلامی فکر انسانی حقوق کے احترام کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اسلام میں انسانی حقوق کا سرچشمہ اور منبع ہی اس کائنات کا خالق ہے، اسی نے انسان کو پیدا کیا اور برابر کیا اور اسی نے اس کا اندازہ لگایا اور ہدایت دی بلاشبہ یہی الٰہی منبع (سرچشمہ) انسانی حقوق کی حفاظت کرتا ہے اور اسے احترام عطا کرتا ہے اور اسے لازمی قوت فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ ایمان کی برکت سے جو عقیدہ دل کی گہرائیوں میں رچ بس جاتا ہے وہی دل کو آزادانہ طور پر ان چیزوں کی پابندی کرنے پر مائل کر دیتا ہے جو ان حقوق کی وجہ سے فرض قرار پاتی ہیں اور ان کے نفاذ اور ان کی حفاظت اور ان کی نگرانی کا پابند ہو جاتا ہے۔

مزید برآں اسلام میں انسانی حقوق، کسی خاص قوم یا خاص ملک کے مفاد کے لیے مقرر نہیں کیے گئے بلکہ وہ تمام انسانوں کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور وہ

پہلے دن سے ہی انٹرنیشنل اسٹائل کے حامل ہیں اس وجہ سے وہ اقالیم کائنات کی حدود کو پھاند کر ملکوں کی آقائیت و سرداری والے علاقوں سے کہیں آگے جا پہنچے ہیں۔

جناب چیئرمین!

اللہ تعالیٰ نے سعودی عرب کی حکومت کو حرمین شریفین (مکہ و مدینہ) کی خدمت کا شرف بخشا ہے اور اسے اس بات کی توفیق بخشی ہے کہ وہ ایسی اسلامی حکومت ثابت ہو جس میں عدل، مشاورت، مساوات کی بنیاد پر حکم چلے اور وہ اپنے تمام مناہج اور مقاصد میں اسلامی شریعت کے احکام نافذ کرنے کی مکمل رغبت رکھتی ہو اور اس میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں جو انسانی حقوق کی مبادیات سے تعلق رکھتی ہیں اور خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے حکومت اور مجلس شوریٰ اور علاقائی نظام کے بنیادی نظام کے اجراء کے موقعہ اپنے خطاب میں ان اصولوں کی وضاحت کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا:

[ان عماد النظام الا ساسی و مصدره هو الشريعة الإسلامية حيث اهتدىٰ هذا النظام بشريعة الإسلام فی تحديد طبيعة الدوله و مقاصدها و مسئولياتها و تحديد العلاقة بين الحاكم والمحكوم التی تقوم على الأخوة والتناصح والموالاة والتعاون]

"بے شک بنیادی نظام کا ستون اور اس کا سرچشمہ اسلامی شریعت ہے، کیونکہ اس نظام نے حکومت کے مزاج اور اس کے مقاصد اور اس کی ذمہ

داریوں کی حد بندی کی ہے اور حاکم ومحکوم کے درمیان تعلق کی حد بندی میں اسلام کی شریعت سے راہنمائی حاصل کی ہے اور اس کی بنیاد بھائی چارے اور باہمی خیر خواہی اور دوستی اور تعاون پر قائم ہے۔''

سعودی عرب کی سلطنت ایک ترقی یافتہ معاشرہ ہے جو مضبوط بنیادوں پر قائم ہے اور یہ پہلے کی طرح آج بھی اسلامی تہذیب کے لیے ستون ہے اور یہ معاشرہ اصلاح کی غرض سے عزم و استقلال کے ساتھ دور حاضر کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بہترین راہ پر گامزن ہے اور اس کا بنیادی نظام، اس حکومت کا جسم ہے جس نے اپنے کندھوں پر اسلامی شریعت کے مطابق انسانی حقوق کی حفاظت کی اولین ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے اور وہ انسانی حقوق کی مضبوط اور صاف شرائط پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اس نے پرائیوٹ ملکیت کی آزادی اور اس کی حرمت کو مملکت کی گارنٹی سے مضبوط کیا ہے اور دولت کے ذرائع پر چھاپہ مارنے اور انہیں بحق سرکار ضبط کرنے سے منع کر دیا ہے اور لوگوں کو توجہ دلائی ہے کہ وہ اقتصادی اور معاشرتی ترقی کو فروغ دینے کے لیے کام کریں اور ماحول کی حفاظت اور نگرانی اور اس کی ترقی کے لیے توانائیاں صرف کریں اور اسے گندگی سے آلودہ نہ کریں اور اس نے ایمرجنسی حالات اور مرض اور عجز و درماندگی اور بڑھاپے کے وقت ہم وطنوں اور ان کے خاندانوں کے حقوق کو مملکت کی ضمانت اور گارنٹی سے مضبوط کیا ہے اور معاشرتی انشورنس نظام سے انسے سپورٹ کیا ہے اور ہر اہلیت اور طاقت رکھنے والے مرد اور عورت کو روزگار کے مواقع مہیا کیے ہیں اور آجر اور مزدور کے حقوق کی حفاظت کرنے کے لیے قوانین وضع کرنے پر توجہ مرکوز کی ہے اور ہر ہم وطن کے لیے صحت عامہ اور پبلک ایجوکیشن کے وسائل فراہم کیے ہیں۔

مزید برآں اس حکومت نے رہائش گاہوں میں ذاتی امور کے تحفظ کی گارنٹی دی ہے اور اس نے اپنی مملکت کے ملکی اور غیر ملکی باشندوں کو عدالت میں انصاف طلب کرنے کی مساوی طور پر گارنٹی دی ہے اور مملکت عربیہ سعودیہ ان اسلامی ممالک میں پہلی مملکت تھی جس نے اسلام میں انسانی حقوق کے اس ڈیکلریشن سے وابستگی کا اظہار کیا جو 13 محرم 1411ھ بمطابق 4 اگست 1990ء میں اسلامی کانفرنس کی تنظیم کی طرف سے نشر ہوا اور وہ اعلان قاہرہ کے نام سے مشہور ہے، کیونکہ اس نے مثبت اور حقیقی بین الاقوامی تعاون کے لیے ساز گار ماحول فراہم کرنے میں بھرپور معاونت کی اور انسانی حقوق اور ان کی آزادیوں کے لیے بین الاقوامی تعاون کی گارنٹی کے مفادات میں اضافہ کیا۔ خصوصاً اس بنا پر کہ اس نے دنیا کے ایک بلین سے زائد عوام کے ضمیر کی آواز کو اس انداز سے ڈیکلیئر کیا کہ اسے ہر اعتبار سے عالمی حیثیت حاصل ہوگئی اور جب وہ اصول اور مقاصد جن پر انسانی حقوق کی بنیاد رکھی گئی ہے، اپنی فطرت کے اعتبار سے عالمی ہیں تو ان کا نفاذ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر معاشرے کی صورت حال اور اس کے ماحول اور خصوصیات کی رعایت مدنظر رکھی جائے اور اس کے تاریخی، ثقافتی، دینی، قانونی پس منظر کا لحاظ کیا جائے۔

جناب چیئرمین!

جب یہ خوشگوار صورت حال پیدا ہوگئی ہے کہ بین الاقوامی معاشرہ انسانی حقوق کی حفاظت اور اس کی بنیادی آزادیوں کے موضوع پر توجہ دینے لگا ہے، تو ان حقوق کے احترام کے سلسلے میں متوقع کارکردگی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے

لیے ضروری ہے کہ ہم درج ذیل مسائل کو حل کرنے کے لیے عمدہ اور مخلصانہ مساعی بروئے کار لائیں:

[1] انسانی حقوق کی ان سنگین خلاف ورزیوں کا خاتمہ کیا جائے جن کا ہم آج کل مشاہدہ کر رہے ہیں، مثلاً

- بوسنیا، ہرزگوینا میں اجتماعی قتل و غارت اور بے رحم نسل کشی۔
- فلسطینی قوم کی حق خودارادیت سے محرومی۔
- نسلی امتیاز۔

اس کام میں کامیابی، بلاشک وشبہ ان کوششوں پر مہر تصدیق ثبت کر دے گی جو دنیا میں انسانی حقوق کو سپورٹ کرنے اور ان کی جڑیں مضبوط کرنے پر خرچ ہو رہی ہیں۔

[2] انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر مشتمل بین الاقوامی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لیے بامقصد معیار پر متفقہ لائحہ عمل تیار کرنا۔

[3] معاشروں کے مزاج اور ان کی عادات اور ان کی روایات اور ان کے معتقدات میں تفاوت کو مدنظر رکھتے ہوئے انسانی حقوق کے مفاہیم کا اجراء کرنا۔

[4] انسانی حقوق کے عدم استعمال کو دیگر ریاستوں کے معاملات میں بلا جواز مداخلت کا ذریعہ نہ بنانا۔

[5] معاشرتی اور اقتصادی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ انسانی حقوق کے استحکام اور ان کی حفاظت پر توجہ مرکوز کی جائے۔

ان مقاصد میں کامیابی کو یقینی بنانا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ خود کار اسلحے کی پیدائش میں جلدی نہ کرنے والوں کی پاسداری کی جائے اور ایسی کارروائیوں سے

اجتناب برتا جائے جو اختلافات کو گہرا کرتی ہیں اور ان کوتاہیوں سے چشم پوشی کی جائے جو اس کانفرنس کی تیاری کے دوران ظاہر ہوئیں۔ اور اگر ہم انسانی حقوق کی عالمگیر حیثیت اور ان کے نفاذ کی ضمانت کو یقینی بنانے والی مشترکہ بنیاد کی طرف پہنچنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ اس کانفرنس کے اختتامی اعلامیے میں ان نوٹس کو اہمیت دی جائے جو اسلامی بلاک اور سیونٹی سیون بلاک اور غیر جانبدار تحریک نے شامل کیے ہیں اور اس طرح ان نوٹس کو بھی اہمیت دی جائے جو ایشین اور افریقن بلاک اور لاطینی امریکہ نے شامل کیے ہیں۔

اور آخر میں جناب چیئرمین کی اجازت سے میں اس تمنا کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری یہ کانفرنس حقیقی اور مقصدی روح کے ساتھ اپنے اغراض و مقاصد کو یقینی بنانے میں کامیاب ہو۔ کیونکہ اس نے بین الاقوامی مثبت تعاون کو ایسا معاشرہ تشکیل دینے کے لیے موزوں جگہ فراہم کر دی ہے جو انسان کی شرافت کو بچائے اور اس کے حقوق اور اس کی بنیادی آزادیوں کی حفاظت کرے اور ایک مشترک تصور تک پہنچنے کے لیے عمدہ اور پیہم عمل کو مستحکم کرے جو عدالت اور توازن کا خواہاں ہو اور ایسی زندگی کی طرف مشتاق ہو جس پر عزت اور شرافت کی سیادت ہو اور اس پر آزادی اور مساوات کا پرچم لہرا رہا ہو۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہٗ

حوالہ جات

[1] المعجم المفهرس: ج اص 483

[2] دیکھیے لسان العرب ابن منظور مادہ (ا۔ن۔س)

[3] دیکھیے حقوق الانسان مطبوعۃ دارالنهضة العربية 1984ء ص 17۔ تبصرف ماہر عبدالھادی

[4] دیکھیے میثال الفریب کی الحریات العامۃ طبع بیروت 1980ء ص 28

[5] دیکھیے نعیم عطیہ کی کتاب ساھمه فی دراسته النظريات العامه للحريات طبع قاہرہ الدار القومیۃ ص 161

[6] دیکھیے ابو محمد ذکی ابو عامر کی کتاب الحماية للحريات الشخيصية

[7] دیکھیے طعیمہ الجرف کی کتاب نظریۃ الدولۃ ص 258

[8] دیکھیے حقوق الانسان

[9] مزید معلومات کے لیے مذکورہ بالا کتاب کا مطالعہ کیجئے۔

[10] دیکھیے حقوق الانسان ص 43-44

[11]الازهر مجمع الجوث الاسلاميه حقوق الانسان فی الاسلام ورعاية للقيم و المعافى الانسانيه 1391 ص 35

[12]حقوق الانسان فی الاسلام بين تعاليم الاسلام و اعلان الامم المتحدة 1948ء ص 9

[13] دیکھئے التضامن الاسلامی العدد الصادر ذی قعدہ 1411 ہجری

[14] حوالہ مذکور

[15] دیکھئے دراسته مقارنة حول الاعلان العالمی لحقوق الانسان لسعید محمد احمد ص 10، 1406 ہجری

[16] دیکھئے حقوق الانسان والتمبیزی العنصری ص 9 طبع دارالسلام قاہرہ، 1409 ہجری

[17] دیکھئے حقوق الانسان فی القانون والشریعة الاسلامیة ص 23

[18] دیکھئے حقوق الانسان بین و عاوی الغرب و اصالة الاسلام عباس موسیٰ مصطفیٰ مجلہ الدراسات الدبلوماسیۃ العدد الثالث 1406ھ، ص 23

[19] دیکھئے حقوق الانسان بین الشریعة الاسلامیه و القانون الدولی طبع دارالنهض العربیه، ص 16

[20] سعودی عرب کے علماء اور یورپ کے ممتاز قانون دانوں اور مفکرین کے درمیان حقوق انسانی اور اسلامی شریعت کے موضوع پر ہونے والے مذاکرے سے تصرف کے ساتھ 7-2-1392 ہجری

اس موضع پر مزید معلومات کے لیے دیکھئے حرمات لاحقوق

حقوق الانسان بین القرآن والاعلان، ص 78 تا 80

[21] سولہویں دفعہ میں شادی کے متعلق جو یہ لکھا گیا ہے کہ بغیر کسی شرط کے۔ تو یہ بات اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے اسلام کسی عورت کو غیر مسلم سے شادی کی اجازت نہیں دیتا اور ہم اس مسئلے کو اسی کتاب کے آخری فصل میں تفصیل سے ذکر کریں گے۔

[22] اٹھارہویں دفعہ میں جو کچھ بیان ہوا ہے یہ اسلام کے موافق نہیں ہے کیونکہ اس

میں انسان کو اپنا دین بدلنے کی اجازت ہے جبکہ اسلام کسی مسلمان کو اپنا دین بدلنے کی اجازت نہیں دیتا اور وہ اسے ارتداد شمار کرتا ہے اور اسلام سے مرتد ہونے کی سزا بھی مشروع ہے اس کی تفصیل بھی اسی کتاب کی آخری فصل میں ہوگی۔

[23] دیکھئے حقوق الانسان بین الشریعة الاسلامیه والقانون الدو . ،ص 28

[23] حوالہ مذکور،ص 8

[24] دیکھئے ندوات علمیه حول الشریعة الاسلام و حقوق الانسان،ص 23

[25] حقوق کے موضوع پر بطور مثال کے درج ذیل کتابیں دیکھئے۔ حقوق الانسان بین القرآن والاعلان، ص 134۔ حقوق الانسان بین الشریعة والقانون الدولی، ص 249

[26] دیکھئے، حقوق انسان، دارالنهضة العربية،ص 123

[27] اس موضوع پر مزید معلومات کے لیے دیکھئے احمد شلبی کی موسوعة النظم والحضارة الاسلامیة ص 245،مطبوعہ قاہرہ۔ ابراہیم نجیب کی۔ القضاء فی الاسلام ص 66، مصطفیٰ کمال کی موسوعه النظم الاسلامیة ص 578 اور السلطات الثلطات فی الاسلامیه.

[28] السیاسته الشرعیه ابن تیمیہ ص 120

[29] احکام السلطانیه ماوردی ص 621۔

[30] مزید معلومات کے لیے دیکھئے مؤلف کی کتاب فی آفاق التربیة الوطنیة ص 37-38

[31] اس موضوع پر مزید معلومات کے لیے دیکھئے اثر تطبیق الحدود فی المجتمع ص 242

[32] دیکھئے المستصفیٰ امام غزالی، ج ا ص 287 تا 288

[33] حوالہ مذکورہ۔ اثر تطبیق الحدود (ص 159)

[34] بمطابق اعداد وشمار 1982ء منقول از الکتاب الاول من سلسلة التشریع

الجنائی ص 307

[35] کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة عبدالرحمٰن الجزیری ص 204 طبع بیروت

[36] التشریع الجنائی الاسلامی (ج اول) عبدالقادر عودہ شہید۔ طبع بیروت (ص 656)

[37] نظام الاسلام دارالفکر مؤلفہ محمد المبارک ص 132 طبع دارالفکر

[38] التشریع الجنائی الاسلامی، ج ا ص 144

[39] آثار تطبیق الشریعة الاسلامیة فی منع الجریمة طبع دارالمنار قاہرہ ص 120، مؤلفہ محمد بن عبداللہ زاحم۔

[40] اثر تطبیق الحدود فی المجتمع حوالہ مذکور ص 15

[41] دیکھئے مذکرہ حکومة المملکة السعودیة، مجلہ رابطہ العالم الاسلامی عدد محرم 1400 ص 158

[42] اثر تطبیق الحدود فی المجتمع حوالہ مذکور (ص 83)

[43] آثار تطبیق الشریعة فی منع الجریمة حوالہ مذکور (ص 13)

[44] دیکھئے المحرر فی الفقه ج 2 طبع قاہرہ ص 382 مؤلفہ مجد الدین ابوالبرکات

[45] الاحکام السلطانیة ص 38، مؤلفہ محمد بن حسین الفراء حنبلی ابویعلیٰ

[46] آثار تطبیق الشریعة الاسلامیة فی منع الجریمة حوالہ مذکور ص 135-136

[47] جیسا کہ امریکیوں نے طالبان اسلام کو افغانستان اور گوانتا موبے میں وحشت ناک سزائیں دیں۔

[48] یہ جواب ندوات علمیہ حول الشریعة الاسلامیہ وحقوق انسان فی الاسلام سے ماخوذ ہے، حوالہ مذکور ص 36

المصادر والمراجع

١ ـ القرآن الكريم.

٢ ـ الحديث الشريف.

٣ ـ ابراهيم بخيت عوض، القضاء في الإسلام، تاريخه و نظمه، القاهرة، ١٩٧٥م.

٤ ـ ابن تيميه، السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية.

٥ ـ أحمد حافظ، حقوق الانسان بين القرآن والإعلان، دار الفكر، بدون تاريخ.

٦ ـ أحمد شبلي، موسوعة النظم والحضارة الإسلامية، ج ٧ القاهرة ١٩٧٩ م.

٧ ـ التضامن الإسلامى، العدد الصادر في ذي القعدة ١٤١١هـ.

٨ ـ جلال الدين العمري، الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، الاتحاد الإسلامي العالمي للمنظمات الطلابية ١٤٠٤هـ.

٩ ـ جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، أثر تطبيق الشريعة الإسلامية ١٤٠١هـ.

١٠ ـ رابطة العالم الإسلامي، ندوات عامية حول الشرعية الإسلامية وحقوق الإنسان في الإسلام، بيروت، ١٩٧٣ م.

١١ ـ سليمان محمد الطحاوي، السلطات الثلاث في الدساتير العربية المعاصرة، الفكر السياسي الإسلامي، القاهرة، دار الفكر العربي.

١٢ ـ السيوطي، الجامع الصغير، ج ٢. رقم ٢٧١٩.

١٣ـ عباس موسى مصطفى، حقوق الإنسان بين دعاوي الغرب وأصالة الإسلام (مجلة الدراسات الدبلوماسية) العدد ١٤٠٦هـ.

١٤ـ عبدالرحمن الجزيرى، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، دار إحياء التراث العربي.

١٥ـ عبدالعزيز الخياط، حقوق الإنسان والتمييز العنصري، دارالسلام ١٤٠٩هـ.

١٦ـ فؤاد عبدالمنعم أحمد، أصول نظام الحكم في الإسلام، الأسكندرية، مؤسسة شباب الجامعة، ١٤١١هـ.

١٧ـ محمد أحمد، دراسة مقارنة حول الإعلان العالمي لحقوق الإنسان و نصوص الميثاق الدولي الخاص بالحقوق الاقتصادية والا جتماعية والثقافية، وموقف التشريع الإسلامي منها، بيروت، مؤسسة الرسالة، ١٤٠٦هـ.

١٨ـ عبد الله بن عبد المحسن التركي، أصول مذهب الأمام أحمد بن حنبل، الطبعة الثانية، الرياض، مكتبة الرياض الحديثة، ١٣٩٧هـ.

١٩ـ عبدالقادر عودة، التشريع الجنائى الإسلامي، ج١، بيروت، دار الكتاب العربي.

٢٠ـ الإمام الغزالي المستصفى، ج/.

٢١ـ مجلة رابطة العالم الإسلامي، عدد محرم عام ١٤٠٠هـ.

٢٢ـ محى الدين أبو البركات، اغرر في الفقه، ج ٢، القاهرة مطبعة السنة المحمدية، ١٩٥٠م.

٢٣ـ محمد أبو حسان، أحكام الجريمة والعقوبة في الشريعة الإسلامية، الاردن، مكتبة المنار، ١٤٠٨هـ.

٢٤ـ محمد بن حسين الفراء (أبو يعلي) الأحكام السلطانية، القاهرة، مطبعة مصطفى البابلي.

٢٥ـ محمد الحسين مصيلحي، حقوق الإنسان بين الشريعة الإسلامية والقانون الدولي، دار النهضة العربية، ١٩٨٨ م.

٢٦ـ محمد المبارك، نظام الإسلام (الحكم والدّولة، دار الفكر، ١٤٠١هـ).

٢٧ـ محمد عبد الرحمن الزاحم، آثار تطبيق الحدود في الشريعة الإسلامية في منع الجريمة، القاهرة، دار المنار، ١٤١٢هـ.

٢٨ـ محمد حلمي نظام الحكم في الإسلام، القاهرة، دار الفكر العربي.

٢٩ـ محمد سلام مدكور القضاء في الإسلام، القاهرة، ١٩٦٤ م.

٣٠ـ مصطفى كمال وصفي موسوعة النظم الإسلامية، القاهرة ١٩٧٧ م.

٣١ـ الماوردي، الاحكام السلطانية، القاهرة، مطبعة مصطفي الحلبي، ١٩٦٦م.

٣٢ـ ماهر عبدالهادي، حقوق الإنسان دار النهضة العربية ١٩٨٤ هـ.

٣٣ـ محمد الغزالي، حقوق الإنسان بين تعاليم الإسلام وإعلان الأمم المتحدة، ١٩٨٤ م

٣٤ـ محمد عبدالله الخطيب، من فوق جبل عرفات تقررت حقوق الإنسان (منار الإسلام).

٣٥ـ محمد شريف بسيوني وأخرون، حقوق الإنسان ج ٣، بيروت، دار العلم للملابين، ١٩٨٩ م.

٣٦ـ مصطفى محمود عفيفي، الحقوق المعنوية للإنسان بين النظرية والتطبيق، دار الفكر العربي، القاهرة، ١٩٩٠ م.

٣٧ـ ميشال الغريب، الحريات العامة، بيروت، دار الكتاب العربي ١٩٨٠ م.

٣٨ـ نعيم عطية، مساهمة دراسة النظرية العامة للحريات، القاهرة، الدار القومية.

٣٩ـ يوسف القرضاوي، الخصائص العامة للإسلام، القاهرة، مطبعة وهبة ١٣٩٧هـ.



الهادی

للنّشر والتّوزیع

۲۸۔ غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور

Phone: 0423 7361473